ہمارے اسلاف

مولانا عبدالعلی فاروقی

ناشر

مکتبۃ البدر کاکوری لکھنؤ — ۲۲۶۱۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط

تالیف

مولانا عبد العلی فاروقی

(فاضل دیوبند، ایم۔ اے)

ناشر

مکتبۃ البدر کاکوری لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷

تیسرا ایڈیشن :- اگست ۶۹۲ء
کتابت :- محمد عرفان قاسمی لکھنؤ
طباعت :- نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ
قیمت :-

ملنے کے پتے :-

دار الکتاب دیوبند ۲۴۷۵۵۴
مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند ۲۴۷۵۵۴
۱۔ مکتبہ البدر کاکوری۔ لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷
۲۔ مکتبہ فاروقیہ ۲۲۰/۵۰ دریائی ٹولہ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳
۳۔ مکتبہ ایوب کاکوری۔ لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷
۴۔ مکتبہ صداقت مبارک پور اعظم گڈھ

فہرست

عرضِ ناشر

مولانا عبد العلی صاحب فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ "البدر" وصدر المدرسین دار العلوم فاروقیہ کاکوری کی اولین تالیف "ہمارے اسلاف" کا تیسرا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب کی تالیف مولانا موصوف نے اپنے زمانۂ طالبعلمی میں کی تھی اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں عرفان بکڈپو لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو کر کئی سال پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ کتاب کی مقبولیت کے پیش نظر اسکے دوسرے ایڈیشن کے بہت دنوں تک تقاضے ہوتے رہے۔ پھر اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں مکتبہ البدر سے شائع ہوا۔

مکتبۃ البشریٰ ہی کی طرف سے اسکے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت منصوبہ میں شامل تھی مگر وسائل کی کمی کیوجہ سے پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن سے زیادہ نئی کتابوں کی اشاعت پر ہماری توجہ مرکوز رہی۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو اپنے دیرینہ منصوبہ کی تکمیل کا موقع عنایت فرمایا اور اب ہم مکتبہ البدر کی طرف سے "ہمارے اسلاف" کا تیسرا ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو کتابت وطباعت اور مواد کے اعتبار سے

پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں بفضلہٖ تعالیٰ بہت بلند ہے۔

اس کتاب میں بیس مشہور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مختصر تعارف سلیس اور سادہ زبان میں کرایا گیا ہے۔

زبان وبیان کی دلکشی وسادگی اور مواد کے مستند ومعتبر ہونے کی بنا پر کتاب کے پہلے ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے ملک کے متعدد اصحابِ علم، اور رسائل وجرائد نے اسے بچوں کے ابتدائی نصابِ تعلیم میں داخل کرنے کی سفارش کی تھی مگر اس سلسلہ میں کوئی جدوجہد نہ ہونے کی بنا پر بات سفارش سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ دوسرے ایڈیشن کے بعد کچھ مدارس نے اسکو داخل نصاب کر لیا ہمیں امید ہے کہ اصحابِ علم اور ذمہ داران مکاتب ومدارس نئے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد اس مسئلہ پر از سر نو غور کریں گے کیونکہ ان کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوگا کہ یہ کتاب کم عمر بچوں، عورتوں اور کم پڑھے لکھے عام مسلمانوں کیلئے خصوصیت کے ساتھ بہت مفید ہے اور اس کے مضامین زبانی یاد کر لینے کے لائق ہیں۔

دوسرے ایڈیشن سے پہلے مؤلف محترم نے کتاب پر نظر ثانی کر کے اس میں مناسب حذف واضافے بھی کئے تھے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

امید ہے کہ پہلے کی طرح ہماری یہ پیشکش بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی اور قارئین کی طرف سے ہم کو بھرپور تعاون ملیگا۔ فقط

منیجر مکتبۃ البدر کاکوری لکھنؤ

انتساب

میں
اس کتاب کی
تمامتر
کاوشوں کو
انتہائی
ادب کے ساتھ
اپنے والد ماجد
حضرۃ مولانا عبد الحلیم صاحب فاروقی مدظلہ العالی
کی طرف
منسوب کرنے کی
سعادت حاصل کر رہا ہوں ۔

عبد العلیم فاروقی

پیش لفظ :-

حمد وثنا ہے اس ذات کیلئے جو قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کیلئے نہایت مہربان انتہائی رحیم ہے اور جس کی رحمتِ کاملہ کے مظہر ہادیٔ اعظم محسنِ انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درود وسلام ہیں اسی نبی برحق کیلئے جس نے ڈوبتی ہوئی انسانیت کو سہارا دیکر بام عروج تک پہنچایا۔

امّا بعد!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وبلندی کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تعلیم گاہِ نبوت کے متعلم تھے اور انھوں نے کامل طور پر فیوض وبرکات کو حاصل کیا اور کمال علم وعمل کی سند اللہ ورسول سے حاصل کرلی چنانچہ خداوند تعالیٰ نے نبوت کی دلیل بناکر لوگوں کے سامنے پیش فرمایا:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الخ اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ گویا صحابۂ کرام کی سیرت کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے بلکہ خود حضور ہی کی سیرت ہے کیونکہ ایک معلم کے کمال یا نقص کو

جانچنے کا معیار اس کی درسگاہ کے طلبہ ہوتے ہیں اسی مناسبت سے میں نے اپنی سب سے پہلی کاوش کو اسوۂ اصحابؓ کے بیان پر صرف کیا کہ نبی کریم صلعم کی تربیت کا تکملہ ہے اس طرح حضور کی سیرت مع عملی نمونہ کے سامنے آجائیگی اگرچہ اس موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کی گئی ہیں مگر میں نے اس کتاب کی ترتیب اس خیال کے پیش نظر دی کہ ان ضخیم کتب کے مطالعہ کیلئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ لہذا کم از کم ان چند مشہور اصحابؓ کی سیرت کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے جن کا ذکر ہر موقع پر آتا ہے اور ان کی سیرت کا ذہن میں رہنا اشد ضروری ہے اگرچہ مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کیوجہ سے اس کا اعتراف ہے کہ ان گرامی قدر شخصیتوں کا تعارف میں نہیں کرا سکتا جبکہ بڑے بڑے ذی علم بہت کچھ بیان کرنے کے بعد یہی کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

ع۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مگر اسی کے ساتھ ساتھ یوسف کے خریداروں میں اپنا نام درج کرنے کے بعد ارحم الراحمین سے امیدوار ہوں کہ اس کو قبول فرمائیں گے اور اس کے صلہ میں اپنی رحمت خاصہ سے نوازیں گے۔

یوں تو تمام اصحاب ہی جامع کمالات تھے مگر ان میں ایسی تقسیم ہو جاتی ہے۔ بعض جہاد فی سبیل اللہ میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ بعض حب رسول میں آگے بڑھے ہیں۔ بعض علم میں فوقیت رکھتے ہیں بعض عبادت و ریاضت میں مقام خاص رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اس رسالہ میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر طبقہ کے ایک ایک

دو دو صحابی کا ذکر آجائے۔ خدا معلوم میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں

ابتداء میں خیر و برکت کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تذکرہ ہے اس کے بعد ان دس خوش نصیب اصحابؓ کا تذکرہ ہے جن کو عشرۂ مبشرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ دس خوش بخت لوگ جن کے نام لے لے کر حضور علیہ السلام نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنا دی۔

ناظرین کرام سے

ملتجی ہوں کہ،

اس رسالہ میں بجائے تنقیدی نگاہ ڈالنے کے عفو و کرم کی نگاہ ڈالیں اور اسکی خامیوں سے مجھے متنبہ کریں کہ میں ایک طالبعلم ہونے کے ناطے اس کا زائد مستحق ہوں اور یہی چیز فائدہ مند بھی ہے۔

اور اگر اس کتاب سے انھیں کچھ فائدہ ہو تو مجھ حقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمالیں۔

خداوندا:

میری اس حقیر پیشکش کو قبول فرمالے اور میرے دل میں اپنے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کی محبت کو راسخ فرمادے اور اس کتاب کو میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین

خاکپائے اسلاف

عبدالعلیٰ فاروقی

دیوبند۔ ۱۶ رجون ۱۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی ولادت سراپا سعادت باختلافِ روایت ۸ یا ۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ہوئی۔ والدِ محترم کا نام عبد اللہ اور والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔

چونکہ آپ سراپا ہدایت بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے اس لئے اچھی باتوں کی طرف ہمیشہ رغبت اور بُری باتوں سے ہمیشہ اعراض رہا۔ آپ کو جس پُر آشوب دور میں دنیا میں مبعوث کیا گیا وہ محتاجِ بیان نہیں کفر و الحاد کی گھنگھور گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں انسانیت بالکل مفقود ہو چکی تھی لوگ اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں زندہ درگور کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ انھیں حالات کو سدھارنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں ہادیٔ اعظم بنا کر بھیجا۔

جھوٹ کبھی نہیں بولتے تھے سچی باتوں سے ہمیشہ الفت رہی چنانچہ عرب میں آپ صادق اور امین کے نام سے مشہور تھے۔

امن اور صلح پسند دماغ پایا تھا۔ قریش کو نبوت سے قبل بھی آپؐ پر بہت
اعتماد تھا چنانچہ حجر اسود کو نصب کرنے کے وقت آپؐ نے انتہائی تدبر اور
دانائی سے کام لے کر کتنے ہی لوگوں کو خون خرابے سے بچالیا۔

۲۵ سال کی عمر میں آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے جن کی عمر اس وقت ۴۰ سال
تھی اور بیوہ تھیں، شادی کی۔ آپؐ کی تمام اولاد حضرت ابراہیمؓ کے
علاوہ حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئیں۔

۴۰ سال کی عمر میں نبوت کے اعلان اور تبلیغ دین کا حکم ہوا۔ اس کام
میں آپ کو جن انسانیت سوز مظالم کا سامنا کرنا پڑا انہیں سوچ کر ہی رونگٹے
کھڑے ہوجاتے ہیں۔

نبوت کے بارہویں سال آپ کو معراجِ جسمانی عطا ہوئی یعنی
حق تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پر بلوایا، جنت و دوزخ کی سیر کرائی اور اپنا
قربِ خاص عطا فرمایا۔

آپ نے کبھی دنیاوی عیش و آرام کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہمیشہ یادِ خدا
میں مصروف رہے۔ موٹا کپڑا پہن کر موٹا جھوٹا کھا کر اور چٹائی پر لیٹ کر پوری
زندگی بسر کی کبھی اس سے زائد کی خواہش نہیں کی بلکہ صحابہ کی جانب سے کبھی
اس سے زائد کا مطالبہ ہوا تو اظہار ناپسندیدگی کیا، ساری ساری رات عبادت
و ریاضت میں بسر فرمادیتے۔ آپ کی تمام صفات و اخلاق کو تو اس مختصر
سے رسالہ میں کیا بیان کیا جاسکے گا بس۔

ع "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں عالم فنا
سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دو سال کچھ مہینے کے بعد
۵۷۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ جاہلیت کا نام عبد الکعبہ اور اسلامی نام
عبد اللہ ہے والد کا نام ابو قحافہ ہے کنیت آپکی ابو بکر۔ عتیق اور
صدیق لقب ہیں۔

معراج کی صبح ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر معراج کو جھوٹا
ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اتنے میں صدیق اکبرؓ دکھائی پڑے اس نے
آپ سے کہا کہ بتاؤ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے راتوں رات ساتوں آسمانوں
کا سفر طے کیا جنت دیکھی دوزخ دیکھی ....
.... تو اس شخص کو کیا کہو گے آپؐ نے فرمایا جھوٹا یا پاگل۔ ابو جہل بہت
خوش ہوا اور کہا کہ یہ خبر تمہارے نبی محمد ﷺ نے اڑائی ہے آپ نے فرمایا

کہ اگر انھوں نے کہا ہے تو سچ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا
تو آپ نے صدیق کا باوقار لقب مرحمت فرمایا۔ حضور ہی نے عتیق کا لقب بھی
مرحمت فرمایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بچپن ہی سے بہت محبت تھی آپ نے
کبھی بت پرستی شراب نوشی نہیں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت
کرنے کے بعد بغیر معجزہ طلب کئے ہوئے سب سے پہلے ایمان لائے اور پوری
زندگی آپ کا ساتھ دیا اور حق رفاقت ادا کر دیا جانی و مالی ہر طرح کی قربانیوں
میں آپ سب سے آگے رہتے۔

جس وقت حضرت صدیق اکبر رضؓ نے اسلام قبول کیا اس وقت ان کے
پاس ۴۰ ہزار روپیہ نقد اور اس کے علاوہ مالِ تجارت تھا جو سب کا سب
بعد میں انھوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں خرچ کر دیا۔

حضرت عمر رضؓ کی یہ خواہش تھی کہ کبھی وہ ان سے آگے بڑھ جائیں چنانچہ
ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال طلب کیا۔ تمام صحابہؓ نے بڑھ چڑھ
کر حصہ لیا۔ فاروقِ اعظم رضؓ گھر کا آدھا مال لیکر آئے اس دن حضرت صدیق رضؓ
کا مال بہت تھوڑا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضؓ بہت خوش ہوئے کہ آج مراد
بر آئی مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ
صدیق اکبر رضؓ گھر پر سوائے خدا کے نام کے کچھ چھوڑ کر نہیں آئے ہیں سارا
سامان یہاں لے آئے ہیں تو حضرت عمر رضؓ نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ میں
صدیق رضؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

آپ نے بہت سے مسلمان غلاموں کو کفار سے خرید کر آزاد کیا جنہیں
موذنِ رسول حضرت بلال رضؓ بھی ہیں۔

قریش کے بہت سے معزز لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کے وعظ
و تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ عشرۂ مبشرہ (یعنی وہ دس صحابیؓ
جن کا نام لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنائی)
میں سے پانچ صحابی حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیر رضؓ حضرت سعدؓ
اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ بھی ان ہی کی ہدایت سے مسلمان ہوئے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تمام غزوات میں شرکت کی۔

آپ کی زندگی میں آپکے نائب رہے اور آپکے بعد آپکے جانشین اور
خلیفہ ہوئے۔ خلافت کے زمانے کے کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ قتالِ
مرتدین ہے جسکی وجہ سے اسلام کی ترقی کی تمام رکاوٹوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قتالِ مرتدین کا واقعہ یہ ہے کہ:

حضور علیہ السلام کی وفات کی خبر سنکر عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے
اور طرح طرح کی بغاوتوں پر آمادہ ہو گئے مثلاً زکوٰۃ دینے سے یہ کہکر انکار کر دیا
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی کو زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے اُن
لوگوں کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضؓ نے قتال کا اعلان کر دیا۔ عام مسلمانوں
میں اس اعلان سے بےچینی پیدا ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں
کو کئی طرح کی آزمائشوں کا سامنا تھا۔ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
وفات سے مسلمان نڈھال تھے دوسری طرف حضرت اسامہ رضؓ کے اس

لشکر کی روانگی کا معاملہ درپیش تھا جس کی روانگی کا حضور علیہ السلام خود حکم فرما چکے تھے ۔ پھر مسیلمہ کذّاب ، اسود عنسی وغیرہ جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا مقابلہ بھی درپیش تھا ۔ ان حالات میں عام مسلمانوں کی رائے یہی تھی کہ صدیق اکبرؓ لڑائی میں پیش قدمی نہ کریں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے پُرجوش وبہادر لوگ بھی اس وقت حالات کی نزاکت پیشِ نظر قتال میں پہل کرنے کے حق میں نہ تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کے سامنے حالات کی نزاکت پیش کرکے یہ کہا کہ اس وقت نرمی سے کام لیجئے یہی مصلحت کا تقاضہ ہے ۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کی اس بات پر غصہ آگیا اور فرمایا ۔

"اجبارٌ فی الجاهلیة وخوارٌ فی الاسلام"

(اے عمرؓ تم زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے تیز دم تھے اسلام میں آکر اتنے نرم ہوگئے؟) اس کے بعد فرمایا ۔

تم الدین وانقطع الوحی اینقص الدین وانا حیٌّ

(دین مکمل ہوچکا وحی کا سلسلہ بند ہوچکا کیا دین میں کمی کردی جائے اور میں زندہ رہوں؟)

غرضیکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے کسی کے سمجھانے بجھانے کی پرواہ نہ کی حتیٰ کہ حکم دے دیا کہ میری اونٹنی لاؤ میں تنہا قتال کے لیے جاؤں گا اور یہ کہہ کر آپ اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے ۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر کہا "اے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ ! ہم نے آپ سے جو کچھ کہا وہ

مشورہ کے طور پر تھا ہم آپ کی حکم عدولی نہیں کرنا چاہتے جو آپ حکم دینگے وہی ہوگا " ۔

چنانچہ حضرت اسامہؓ کا لشکر بھی روانہ ہوا ۔ مدعیانِ نبوت سے مقابلہ کے لیے بھی فوج بھیجی گئی اور قتالِ مرتدین کیلئے بھی ۔

اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کے ساتھ رہی اور ہر طرف فتح ہوئی تمام فتنے فنا کی گھاٹ اتر گئے اور صدیق اکبرؓ کی فراستِ ایمانی سے اسلام فتنوں سے محفوظ ہوگیا ۔

جب قتالِ مرتدین کا نتیجہ سامنے آیا تو تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور سب کو احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں کتنی بڑی خدمت انجام دلوائی ۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا قام فی الردۃ مقام الانبیاء (ابوبکرؓ قتالِ مرتدین کے سلسلہ میں مقامِ نبوت پر کھڑے ہوئے) ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کرهنا فی الابتداء وحمدناه علی الانتهاء (ہم لوگوں نے شروع میں تو ان کی روش کو ناپسند کیا مگر آخر میں ان کی تعریف کی)

اسی طرح دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے طریقہ پر صدیق اکبرؓ کے اس اقدام کی تعریف کی ۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر حضرت صدیق اکبرؓ ابتدا ہی میں اتنی سختی سے کام نہ لیتے تو آج اسلام اس طرح مکمل حالت میں ہم تک نہ پہونچ پاتا اور قسم قسم کے فتنوں کو اس میں داخل ہونے کی راہ مل جاتی ۔

صدیق اکبرؓ ہی ایک ایسے شخص ہیں جن کے متعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے احسانات کو میں نہیں چکا سکا اس کا بدلہ قیامت کے دن خود ربّ العزّت دیں گے۔

۱۷ یا ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو سوا دو برس فرائض خلافت انجام دیکر اپنے رفیق اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور انہی کے پہلو بہ پہلو مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے وقت آپ کے تین صاحبزادے تھے حضرت عبداللہ حضرت عبدالرحمٰن۔ محمد۔ اور دو صاحبزادیاں تھیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت اسماءؓ ایک صاحبزادی شکم مادر میں تھیں جن کا نام حضرت ام کلثوم ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عمرؓ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب فاروق اعظم کنیت ابوحفص ہے عمر میں آپ پیغمبر علیہ السلام سے ۱۳ سال چھوٹے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی بے انتہا بہادر تھے، کفار کو ان پر ناز تھا شہسوار

میں ابوجہل اور یہ دونوں اہم شمار کئے جاتے تھے چنانچہ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دونوں میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کی اللہ ربّ العزت سے دعائیں کیں۔ نبوت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں رنگ لائیں اور فاروقِ اعظم ایمان لائے۔ ایمان لانے کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے۔

ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو محمدؐ کی گردن کاٹ کر لائے گا اُسے مالامال کر دیا جائے گا۔ آپ اس کام کی تکمیل کیلئے نکل پڑے۔ راستہ میں ایک صحابی سے ملاقات ہوئی انھوں نے دریافت کیا کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہا محمدؐ کی گردن کاٹنے۔ صحابیؓ نے کہا کہ پہلے اپنے بہنوئی بہن کی خبر لو کہ وہ بھی مسلمان ہوگئے ہیں یہ سیدھے ان کے گھر پہونچے وہاں جا کر دونوں کو خوب مارا پیٹا۔ بہن نے کہا کہ "اے عمر اب ہم اسلام سے کسی قیمت پر انحراف نہیں کر سکتے"۔ اس استقامت سے دل پر ایک خاص اثر ہوا، بعد میں قرآن مجید سننے کی خواہش کی۔ قرآن مجید کی آیات سننے کے بعد ایک انقلاب پیدا ہوگیا اور قتل کے ارادے سے نکلنے والے عمر نے آستانۂ نبوی میں جا کر سر ٹیک دیا اور مسلمان ہو کر عہد کر لیا ے

اب تو مٹ جائیں گے تیرے نام پہ سوچا ہے یہی
دردمندانِ محبت کا طریقہ ہے یہی

چنانچہ وہ ساری قوت و شوکت جو کفر پر خرچ ہو رہی تھی اسلام کیطرف منتقل ہوگئی۔ مسلمان ہونیکے بعد فوراً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اعلان

کر کے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھی۔ ہجرت بھی آپ نے بڑی شان کیساتھ کی۔ جب چلنے لگے تو کفار کو مخاطب کر کے فرمایا میں ہجرت کر رہا ہوں، اور علی الاعلان کر رہا ہوں جس کو اپنی بیوی کو بیوہ کرنا ہو اور جس کو اپنے بچوں کو یتیم کرنا ہو وہ مجھے روک لے۔ مگر کسی میں اس چیلنج کو قبول کرنیکی ہمت نہ ہوئی۔

اسلام لانے کے بعد فاروق اعظمؓ کو اسلام اور حضورؐ سے جس طرح محبت ہوئی اس کا اظہار ہر موقع پر ہوا۔ حضورؐ کے مقابلہ میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے۔ تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شرکت کی اور حضورؐ کے مقابلہ پر آنیوالے اپنے قریب سے قریب عزیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قتل کیا چنانچہ معرکہ بدر میں خود اپنے ہاتھ سے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ اسی طرح دوسرے غزوات میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مسلمانوں کی طرف سے حضور علیہ السلام نے بظاہر دب کر صلح کی تھی اور شرائط صلح ایسی تھیں جن سے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوتی تھی حضرت عمرؓ اپنی غیرت ایمانی کیوجہ سے اس صلح پر راضی نہیں تھے اور جوش وجذبہ کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا:

کیا آپؐ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ سب کچھ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر ہم اس طرح دب کر کیوں صلح کریں؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا عمرؓ تمہارے نبی نے صلح کرلی ہے،، یہ سنکر حضرت

عمرؓ خاموش ہو گئے۔ حدیبیہ سے واپسی کے وقت سورہ فتح نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو اس بات کی خوشخبری تھی کہ عنقریب ان ہی کی فتح ہونے والی ہے۔ یہ سورۃ سب سے پہلے حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ ہی کو سنائی کیونکہ اس مغلوبانہ صلح سے سب سے زیادہ تکلیف کا اظہار ان ہی کی طرف سے ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ کو منافقت سے شدید نفرت تھی اور وہ نفاق کو کسی بھی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک منافق (جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا مگر دل سے مسلمان نہ تھا) اور ایک یہودی کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا اس کے فیصلے کے لیے یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس گئے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہیں کرایا؟ تو یہودی نے بتایا کہ ہم لوگوں نے ان سے فیصلہ کرایا تھا مگر ان کے فیصلہ پر یہ راضی نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا رکو میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں اور یہ کہہ کر گھر سے تلوار لے آئے اور اس منافق کی گردن یہ کہکر اڑادی کہ جو مسلمان ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کے لیے میرا یہ فیصلہ ہے۔

بہت بڑے مدبر اور سیاستداں تھے چنانچہ بہت سے موقعوں پر آپ کی مرضی کے مطابق وحی نازل ہوئی اگرچہ حضورؐ کے اس کے خلاف فرمانے کی وجہ سے سکوت اختیار کر لیا ہو۔ مثلاً اسیران بدر کے سلسلے میں عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ کے سلسلہ میں۔ وغیرہ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے وزیر تھے آپکی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ نے مدینہ کا قاضی بنادیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے۔

زمانۂ خلافت میں جس طرح اسلام کی خدمت کی وہ صرف انہی کا حصہ ہے اسلامی فتوحات کا دائرہ جس قدر آپکے زمانہ میں وسیع ہوا اس طرح بعد میں نہ ہوسکا۔ روم اور شام جیسی عظیم سلطنتیں آپ ہی کے دور میں فتح ہوئیں قیصر وکسریٰ آپکے نام سے کانپتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں پر آپ کا رعب تھا۔ وضع قطع سے دیکھنے والا ایک عام آدمی تصور کرتا، نام سنکر اس پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی۔ مزاج میں سادگی اور انکساری بہت زیادہ تھی۔

چنانچہ خلیفہ ہونیکے بعد پہلی مرتبہ جب منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھے تو اس جگہ بیٹھے جہاں خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ پیر رکھتے تھے۔ لوگوں نے جب کہا کہ اوپر بیٹھئے تو جواب دیا کہ مجھکو اگر وہ مقام مل جائے جہاں ابوبکرؓ پیر رکھتے تھے تو میرے لیے یہی کافی ہے۔

اسی طرح خلیفہ ہونے کے بعد لوگوں نے آپ کو خلیفۂ رسول اللہ کہنا چاہا تو آپنے یہ کہکر روک دیا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ بس مجھے امیرالمومنین کہکر پکارا کرو۔ چنانچہ یہ لفظ سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی کیلئے استعمال ہوا۔

باوجودیکہ علومِ نبوت کے بہت بڑے عالم تھے مگر اپنے مقابلہ میں دوسروں کو بڑا عالم سمجھتے تھے اور معمولی سے معمولی آدمی کے ٹوکنے کا بھی برا

نہیں مانتے تھے اور صحیح بات کے سامنے فوراً جھک جاتے تھے۔

چنانچہ ایکروز خطبہ میں فرمایا کہ مسلمانو! تم اپنی عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ باندھا کرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں سے زیادہ کسی کو مہر باندھنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر کسی کا مہر ان سے زیادہ ہوگا تو میں زائد مال ضبط کرکے بیت المال میں داخل کردوں گا۔

یہ سن کر ایک بڑھیا نے کہا کہ آپ کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وَإِنْ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُنَّ شَيْئًا (اے لوگو! اگر تم اپنی بیویوں کو ڈھیروں مال بھی دیدو تو پھر اس میں سے کچھ واپس نہ لو) بڑھیا کی زبان سے یہ بات سنتے ہی حضرت عمرؓ یہ کہتے ہوئے منبر سے اتر آئے "کل الناس اعلم من عمر حتی العجائز" (تمام لوگ عمر سے زیادہ علم رکھتے ہیں حتے کہ بڑھیاں بھی)۔

آپ کا عدل وانصاف مثالی تھا حتی کہ ایک مرتبہ آپکے بیٹے ابوشحمہ نے شراب پی تو ان پر کوڑوں کی حد جاری کرنے کا حکم دے دیا حضرت عمرو بن العاص نے اپنے گھر بلا کر آہستہ آہستہ کوڑے لگائے جب اس کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی تو شدید ناگواری کا اظہار کیا اور دوبارہ اپنے سامنے کوڑے لگوانے کیلئے طلب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سفارش کی کہ ان کو ایکمرتبہ سزا مل چکی ہے خود ابوشحمہ نے اپنی بیماری کا حوالہ دیتے ہوئے رحم کی اپیل کی مگر انصاف کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہ کرکے

قاعدہ کے مطابق دوبارہ حد جاری کی جس کی وجہ سے ابوشحمہ کی بیماری بڑھ گئی اور ایک مہینہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح اپنے سالے قدامہ ابن مطعون پر بھی ایک مرتبہ شراب نوشی کی حد جاری کردی تھی۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے جو حضرت مغیرہؓ کا غلام تھا آپ پر نمازِ فجر میں زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے قاتلانہ حملہ کردیا۔ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ نماز کے بعد آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا گھر آکر آپ نے سوال کیا کہ میرا قاتل کون ہے؟ جب ابولولو کا نام معلوم ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھوں مجھے شہادت نصیب فرمائی۔ پانچ روز اسی حالت میں زندہ رہکر یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

آپ کی اولاد میں ام المومنین حضرت حفصہؓ، رقیہؓ، زینب، عبداللہ، عبیداللہ، عاصم عبدالرحمٰن، زید، اصغر، عبدالرحمٰن ہیں۔ مزار مبارک آپ کا روضۂ نبوی میں حضور پرنور کے پائنتی ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم مبارک عثمان اور لقب ذوالنورین ہے۔ عمر میں حضورؐ سے

چھ سال چھوٹے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اور یہ ایسا شرف ہے کہ آپ کے علاوہ دنیا میں کسی کو نہیں حاصل ہوا کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں ایک ہی شخص کے نکاح میں آئی ہوں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذی النورین کا لقب ملا۔

اسلام لانے سے قبل بھی کبھی آپ نے بتوں کو نہیں پوجا اور نہ ہی کبھی شراب پی جیسا آپ کی مشہور ہے کبھی بے حیائی کے کاموں کی طرف رغبت نہیں رہی حتیٰ کہ جب نہاتے تو غسلخانہ کے اندر دروازہ بند کر کے کپڑے اتارتے اس پر بھی کبھی کھڑے ہو کر نہ نہاتے۔ صدیق اکبرؓ کی ہدایت پر ایمان لائے اور اس سلسلہ میں ہمیشہ ان کے ممنون رہے اسلام لانے کے بعد آپ کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا مگر پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ ہوئی۔

چنانچہ ایک روز ان کے چچا حکم ابن عاص نے انکو پکڑ کر رسی سے مضبوط باندھا اور کہا کہ تم نے اپنے دادا کا دین ترک کر کے نیا دین اختیار کر لیا ہے میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اُسے ترک نہ کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں دین اسلام کو نہیں ترک کرونگا آخر ظالم اپنے ظلم سے عاجز آگئے اور ان کو چھوڑ دیا۔ چونکہ ان کے پاس پیسہ زیادہ تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی خدمت بہت کی اور حضورؐ سے عجیب و غریب دعائیں حاصل کر کے دنیا ہی میں جنت بنائی۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کیلئے کئی اونٹ
غلہ حاضر کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ میں عثمان سے
راضی ہوں تو بھی راضی ہو جا اور صحابہؓ سے بھی دعا کیلئے فرمایا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف
لائے تو آپ کو اور تمام مسلمانوں کو پانی کی بڑی تکلیف تھی میٹھے پانی کا
صرف ایک کنواں تھا جس کا نام رومہ تھا اور وہ کنواں ایک یہودی
کی ملکیت میں تھا۔ وہ جس بھاؤ چاہتا پانی بیچتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا
کہ جو شخص اس کنویں کو خرید کر وقف کر دے اللہ اسے جنت سے نوازے گا
حضرت عثمانؓ نے یہ سن کر کنواں یہودی سے بہت مہنگے داموں میں
خرید کر راہ خدا میں وقف کر دیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد خلیفہ ہوئے آپ کے زمانۂ خلافت کی
سب سے عظیم جنگ حرب العبادلة ہے اس میں طرابلس اندلس
وغیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آئے سب سے پہلی بحری جنگ بھی آپ
ہی کے دور خلافت میں ہوئی جس کے کمانڈر حضرت معاویہؓ تھے۔

عثمان غنیؓ کے دور خلافت کے ابتدائی چھ سالوں میں تو کسی کو شکایت
کا کوئی موقعہ نہیں ملا مگر آخر کے چھ سالوں میں کچھ لوگوں کو اختلاف پیدا
ہو گیا اور آپ پر لوگوں کو اعتراض ہونے لگا کہ آپ نے اپنے خاندان والوں کو
بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا ہے حالانکہ یہ فعل شرعاً جائز ہے مگر لوگ
اس پر اشکال کرتے رہے اور پھر نوبت اس حد تک پہونچی کہ حاکم مصر کے

تقرر کے سلسلہ میں مسلمانوں کو کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی اور بغاوت شروع
ہو گئی اور آپ پر طرح طرح کے ظلم ہونے لگے۔ مگر آپ نے باوجود اقتدار
حاصل ہونیکے باغیوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا اے
امیر المومنین اگر حکم دیں تو سارے باغیوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے مگر انہوں
نے فرمایا کہ میری وجہ سے کسی مسلمان کا خون نہیں بہہ سکتا بالآخر یہی
بغاوت حد انتہا کو پہونچ گئی اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو تقریباً بارہ
سال تخت خلافت کو زینت دیکر نہایت ہی مظلومیت اور بے کسی
کے عالم میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت اپنی مظلومیت اور بعد میں پیش آنیوالے
نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی اور سب سے مختلف
شہادت ہے ان کی شہادت سے پہلے مسلمان آپس میں متحد و متفق تھے اور
ان کی متحدہ قوت دشمنانِ اسلام کے خلاف خرچ ہو رہی تھی مگر حضرت
عثمانؓ کی شہادت ہوتے ہی یہ برکت ختم ہو گئی اور آپس میں خونریزی کا
ایسا سلسلہ قائم ہوا کہ پھر پہلے جیسا اتفاق امت کو کبھی نصیب نہ ہوا۔

حضرت عثمان کی شہادت اور اسکے نتائج کے سلسلہ میں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بیان فرما دیا تھا، اس سلسلہ کی بہت سی روایات
موجود ہیں۔ ان ہی میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور حضرت عثمانؓ کی
طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس فتنہ میں ظلماً قتل کئے جائیں گے۔

اسی طرح حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی تلوار اس وقت تک میان میں رہیگی جب تک عثمان زندہ رہیں گے اور جب عثمان شہید کر دیئے جائیں گے تو یہ تلوار میان کے باہر نکل آئیگی اور پھر قیامت تک میان میں واپس نہ جائے گی۔

حضرت عثمان پر اس قدر ظلم کیا گیا کہ حضرت سعد بن زید فرماتے تھے اے لوگو! تم نے عثمان پر جو ظلم کیا ہے اگر اس کی وجہ سے احد پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو حق بجانب تھا۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد ایک دن حضرت حسن رضؓ نے بیان فرمایا کہ لوگو! میں نے آج شب کو خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ عرش کے اوپر جلوہ فرما ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پائے کے پاس کھڑے ہو گئے پھر حضرت ابوبکر تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہو گئے اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں ان کا کٹا ہوا سر تھا اور انھوں نے آکر کہا کہ اے رب! اپنے بندوں سے پوچھ کہ مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ ان کے یہ کہتے ہی خون کے دو پرنالے زمین پر بہا دیئے گئے۔

کسی نے حضرت علی رضؓ سے جاکر بیان کیا کہ حسن رضؓ ایسا کہتے ہیں تو حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ انھوں نے جو کچھ دیکھا، وہ سچ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان کے قاتلوں کا دنیا ہی میں بہت خراب انجام ہوا۔

چنانچہ یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ مصر سے جتنے لوگ بھی حضرت عثمان رضؓ کی بغاوت پر آئے تھے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کو جنون نہ ہو گیا ہو۔

ابو قلابہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے ملک شام میں ایک شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹے ہوئے تھے اور وہ منہ کے بل زمین پر پڑا ہوا کہہ رہا تھا کہ جہنم کی آگ سے میری خرابی! میں نے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں ان لوگوں میں تھا جو حضرت عثمان رضؓ کے گھر میں ان کو شہید کرنے کیلئے گھسے تھے جب میں قریب گیا تو ان کی بیوی نے شور مچایا میں نے ایک طمانچہ ان کو مار دیا اس پر حضرت عثمان رضؓ نے مجھ کو بد دعا دی کہ خدا تیرے ہاتھ اور پیر کاٹ دے اور تجھے جہنم میں ڈالے۔ یہ سنکر میں لرز گیا اور وہاں سے بھاگ آیا۔

اب میری جو حالت ہے اسے تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میرے ہاتھ پاؤں کٹ چکے ہیں بس جہنم کی آگ میں جلنا باقی ہے۔ ابو قلابہ رضؓ کہتے ہیں کہ اس کا یہ بیان سنکر میں نے کہا جا دور ہو۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ کی ولادت ۳ر رجب المرجب بروز جمعہ ہوئی۔ علی آپ کا نام اور

ابو الحسن اور ابو تراب آپ کی کنیت ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد تھے حضور آپ سے بڑی شفقت فرماتے تھے اور حضور ہی کے دامن عاطفت میں پرورش پائی۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا نہایت بہادر اور دلیر تھے تمام صحابہ رضؓ میں فصاحت میں آپ کا درجہ سب سے اعلیٰ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے لگے تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی چادر اڑھا کر لٹا دیا اور ان کے سپرد مکہ کے لوگوں کی وہ امانتیں کیں جو حضور علیہ السلام کے پاس تھیں اور ان کو حکم دیا کہ یہ امانتیں جن جن لوگوں کی ہیں ان کے سپرد کر کے تم مدینہ چلے آنا۔

حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کے فرمان پر اس قدر یقین تھا کہ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ بستر رسول پر چادر تان کر سو گئے کیونکہ یہ انکا ایمان تھا کہ جب نبی علیہ السلام نے یہ حکم دے دیا ہے کہ مکہ کے لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ میں آ کر ہم سے ملنا تو اب ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اب مکہ کے لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کرنا اور پھر مدینہ جا کر حضور علیہ السلام سے ملنا یقینی ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ امانتیں سپرد کرنے کے بعد بہت جلد آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہونچ گئے۔

آپ حضرت عثمان رضؓ کے بعد خلیفہ ہوئے اور آپ ہی پر خلافت راشدہ ختم ہو گئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً تمام غزوات میں شرکت کی اور اسلام کے لیے شجاعت اور بہادری کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

آپ کے زمانہ خلافت میں دو جنگیں مسلمانوں میں باہم خون عثمان رضؓ کے قصاص لینے کے سلسلہ میں ہوئیں۔ ایک جنگ جمل حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے ہوئی دوسری جنگ صفین حضرت معاویہؓ سے۔

جنگ جمل کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مکہ گئے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ وہیں تھیں ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا پورا واقعہ سنایا اور کہا کہ اس وقت مدینہ میں سخت فتنہ بپا ہے آپ کوشش کر کے اسے ختم کرائیے ان لوگوں کے اصرار سے عائشہ صدیقہ رضؓ راضی ہو گئیں اور یہ طے ہوا کہ حضرت علیؓ کو بلا کر کسی طرح بات چیت کی جائے اور مدینہ اس وقت تک جایا جائے جب تک وہاں کے حالات سدھر نہ جائیں۔

باغیوں نے یہ واقعہ حضرت علیؓ کے سامنے غلط طور سے پیش کیا جس کے نتیجہ میں غلط فہمی پیدا ہو گئی اور حضرت علیؓ فوج لیکر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں پہلے سے ام المومنین موجود تھیں وہاں

؎ تلخیص از سیرت خلفائے راشدین۔

پہنچکر صحابہؓ کی کوششوں سے صلح وصفائی کی نوبت آگئی مگر چونکہ
باغیوں کا مقصد حل نہیں ہو رہا تھا اس لیے انھوں نے منافقت
کی اور قبل اس کے کہ بات چیت ہو رات کے وقت حملہ کر دیا۔
دوسری طرف سے جوابی کاروائی ہوئی بالآخر دونوں جانب سے ۱۳ ہزار
مسلمان محض منافقین کی فتنہ انگیزی سے شہید ہو گئے۔ شہداء
میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی ہیں۔

ایک بات یہاں پر قابل لحاظ ہے کہ باوجود اتنی زبردست جنگ
ہونے کے طرفین کے دل صاف تھے۔ یہ لڑائی محض سیاسی تھی
نفس کا اس میں بالکل شائبہ نہیں تھا۔

جب قاتل زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا آپ کو مبارک ہو
کہ آپ کے دشمن زبیرؓ کو میں ختم کر آیا تو حضرت علیؓ کو انتہائی افسوس
ہوا اور فرمایا کہ میں تجھے جہنم کی خوش خبری دیتا ہوں اس نے کہا کہ ایسا
کیوں۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ میں کیا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے
یاعلی بشر قاتل ابن صفیۃ بالنار (اے علی تم صفیہ
کے بیٹے (زبیرؓ) کے قاتل کو جہنم کی خوشخبری سنا دینا) اسی طرح
جب حضرت طلحہؓ کی لاش پر سے گزرے تو فرمایا کہ اے کاش میں آج
سے ۲۰ برس پہلے مر گیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کا ہاتھ چوم کر فرماتے
یہ وہی ہاتھ ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے
مصائب کو دفع کیا ہے۔

اسی طرح جنگ صفین کا معاملہ ہے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ
میں ہوئی حضرت معاویہؓ بھی خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر رہے
تھے، ان کا کہنا تھا کہ باغیوں کو میرے حوالہ کر دیا جائے میں قصاص
لے لوں گا مگر اس پر حضرت علی راضی نہ ہوئے اور نتیجۃً جنگ صفین
پیش آئی۔

اس سلسلہ میں بھی دونوں میں سے کسی کی جانب سے غلط اعتقاد
مناسب نہیں کیونکہ طرفین کے دل صاف تھے۔ اور یہ لڑائی بھی
سیاسی تھی۔

چنانچہ لڑائی کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم لوگ معاویہؓ کی حکومت
کو برا نہ سمجھو۔ جب وہ نہ رہیں گے تو دنیا میں سخت بدامنی پھیلے گی۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ نے اس موقعہ پر فرمایا جب ایک رومی
ریاست کے عیسائی فرمانروا نے مسلمانوں کے باہمی اختلاف سے فائدہ
اٹھا کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی سوچی تو حضرت معاویہؓ نے اس کے پاس
اس مضمون کا خط بھیجا کہ:

"اے رومی کتے تو ہماری آپس کی لڑائی سے
فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس وقت تو مدینہ کی طرف رُخ
کرے گا تو خدا کی قسم علیؓ کے لشکر سے پہلا سپاہی جو تیری
سرکوبی کے لیے نکلے گا اس کا نام معاویہ ابن ابی سفیان
ہوگا۔"

اس خط کے ملتے ہی اس کی ہمت پست ہوگئی اور حملہ کرنے کا
ارادہ ترک کردیا۔

بہرحال دونوں جنگیں باہمی سیاست کے اختلاف سے ہوئیں
اس میں کسی فریق کو بھی برا کہنے کا کسی کو حق نہیں۔

حضرت علی رضؓ نے ۱۸ رمضان سنہ ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن بن ملجم
خارجی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ جیسے ہی اس نے آپ پر
حملہ کیا آپ نے فرمایا: "فزت ورب الکعبۃ" (رب کعبہ
کی قسم میری مراد پوری ہوگئی) حضرت علیؓ کی حضورؐ کی صاحبزادی
حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت
زینبؓ حضرت ام کلثومؓ یہ اولاد پیدا ہوئیں۔ دوسری ازواج سے
مندرجہ ذیل اولاد پیدا ہوئیں:

عباس، جعفر، عبداللہ، عبیداللہ، محمد بن حنفیہ، محمد، یحییٰ، عثمان،
ابوبکر، محمد الاصغر، عمر، رقیہ، نفیسہ، جمانہ، خدیجہ، ام ہانی، میمونہ
زینب، رملۃ الکبریٰ، رملۃ الصغریٰ، ام کلثوم، ام الحسن، ام سلمہ
ام جعفر، فاطمہ، امامہ، ام الکرام۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ[عہ]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے صاحبزادے
ہیں۔ نام زبیر کنیت ابوعبداللہ اور لقب حواری رسول اللہ ہے والد
کا نام عوام ہے۔

ہجرت نبوی سے ۲۸ سال قبل ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے حسن
تربیت کی وجہ سے نہایت بہادر اور جری تھے بڑے سے بڑے دشمن
سے ٹکرا جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ
کیا اور ایسا مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگ اسے لیکر حضرت صفیہؓ
کے پاس شکایت کرنے آئے تو انھوں نے معذرت کے بجائے سب
سے پہلے سوال کیا کہ تم نے زبیر کو بزدل پایا، یا بہادر؟

سولہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تمام صحابہ کی طرح آپ کو بھی
اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کا چچا انھیں دین اسلام
سے باز رہنے کو کہتا اور جب یہ اس سے انکار کرتے اور کہتے کہ توحید کا
نشہ چڑھ کر نہیں اترتا تو وہ انھیں چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتا کہ آپ کا

عہ مہاجرین بحوالہ اصابہ۔

دم گھٹنے لگا مگر زبان پر یہی کلمہ رہتا کہ اب کچھ بھی ہو میں کافر نہیں ہوں گا
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ تعلق تھا اور آپ کے
بہت کام آئے تھے۔ آپ کی ذرا سی تکلیف پر جان لینے اور دینے کو
تیار ہو جاتے۔ چنانچہ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی کی تلوار حضورؐ کی
حمایت میں نکلی۔ جس کا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ یہ خبر مشہور ہو گئی
کہ مشرکین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ سنتا تھا
کہ حضرت زبیرؓ باوجود کمسنی کے بیقرار ہو کر ننگی تلوار لئے مجمع کو چیرتے
ہوئے اس خبر کی تصدیق کے لیے آستانۂ نبوی پر حاضر ہوئے حضور
علیہ السلام نے انھیں اس طرح دیکھ کر پوچھا زبیر یہ کیا ہے؟ انھوں نے
عرض کیا مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے۔ حضور
علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

غزوات میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا
آپ نے اس میں شرکت کی اور جدھر سے گذر جاتے دشمنوں کی صفیں
کی صفیں کاٹتے نکل جاتے۔ تیر اندازی میں بہت مہارت تھی چنانچہ اسی غزوے
میں عبیدہ بن سعید کے جو سر سے پیر تک زرہ پہنے تھا ایسا تاک کر
آنکھ میں تیر مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھ سے تیر
نکالا پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یادگار کے طور پر
اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔

اسی طرح غزوہ احد میں بھی بہادری کے کارہائے نمایاں انجام دے

دکھائے جنگ میں حضور علیہ السلام نے تلوار کھینچ کر فرمایا کون اس کا حق
ادا کرے گا حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر کہا میں۔

اسی طرح جب حضورؐ کی شہادت کی خبر سے صحابہؓ میں خلفشار پیدا
ہو گیا اور میدانِ کارزار میں صرف چودہ صحابی رہ گئے ان میں حضرت
زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر جب بنو قریظہ مسلمانوں سے کئے ہوئے
معاہدہ سے پھر گئے اور مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت حال کیلئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار
اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس قوم کی خبر لائے؟ ہر مرتبہ جواب میں
حضرت زبیرؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ میں! حضور علیہ السلام نے
خوش ہو کر فرمایا۔ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں میرا حواری زبیرؓ ہے
اس فرمان کی وجہ سے آپ کو حواری رسول اللہ کا لقب مستقل طور پر
دیا گیا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی مرحب قتل کیا گیا تو اس کا
بھائی غضبناک ہو کر مسلمانوں کے لشکر کو للکارتا ہوا آگے بڑھا
ھل من مبارز باوجود اس کے کہ وہ بہت قوی اور توانا تھا
مگر حضرت زبیرؓ اس سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھ گئے یہ منظر
دیکھ کر حضرت صفیہؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور انھوں نے حضورؐ سے
کہا اے اللہ کے رسول کیا آج میرا لاڈلا شہید ہو جائے گا۔ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ زبیرؓ اس پر غالب رہے گا۔ چنانچہ
تھوڑی ہی دیر بعد حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں وہ دشمنِ اسلام واصلِ جہنم
ہوا۔

اسی طرح تمام غزوات میں آپ نے دشمنانِ اسلام سے انتہائی بجگری
سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ آپ کے جسم مبارک میں کئی جگہ کی ہڈیاں غائب
ہوگئی تھیں۔ اور زخم اچھے ہوجانے کے بعد گڑھے پڑ گئے تھے۔

۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقع پر عمرو بن جرموز نے غداری کرکے
حالتِ نماز میں تلوار سے ان پر ایسا حملہ کیا کہ سر تن سے جدا ہوگیا۔
اس جنگ میں حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے مخالف کیمپ میں تھے
عمرو بن جرموز حضرت زبیرؓ کو شہید کرنے کے بعد ان کی تلوار اور زرہ
وغیرہ لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں خوش خوش حاضر ہوا اور اپنا کارنامہ
بیان کیا تو حضرت علیؓ نے بڑی حسرت کے ساتھ ان کی تلوار پر نظر ڈال کر
فرمایا:

"اس تلوار نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم پر سے مصیبتوں کے بادل ہٹائے ہیں
اے ابنِ صفیہ کے قاتل میں تجھے جہنم کی
بشارت دیتا ہوں جا جہنم تیری منتظر ہے"

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

آپ کا نام طلحہ کنیت ابو محمد خیر اور فیاض لقب ہیں والد کا نام
ید اللہ اور والدہ کا نام صعبہؓ ہے۔

ہجرتِ نبوی سے کم ۲۴ یا ۲۵ سال قبل ولادت ہوئی۔ کم عمری ہی
ے تجارتی سفر شروع کر دیے چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک سفر پر گئے
ے تھے کہ وہاں ایک راہب نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
وث ہونے کی خوشخبری دی طبیعت تو وہیں متاثر ہوگئی مگر بچپن سے
ل ماحول میں تربیت پائی تھی اس کے خلاف ایکدم سے تو نہیں
سکتے تھے تاوقتیکہ یقین نہ ہوجائے چنانچہ واپسی پر حضرت ابوبکر صدیقؓ
تبلیغ اور فیض صحبت سے تمام شکوک وشبہات زائل ہوگئے
ر دامنِ محمدی میں پناہ گزیں ہوگئے۔

حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اسلام کیلئے جس بے جگری
ے دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے حضرت طلحہؓ کا
کارنامہ تو ایسا ہے کہ تاریخ عالم اس کی مثالیں پیش کرنے سے قاصر
ے جذبۂ جان نثاری کا وہ عظیم الشان مظاہرہ تاریخ اسلامی میں سنہری
روف میں ثبت ہے۔ غزوہ احد کا موقع ہے کفار کی اچانک

یورش کی وجہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں صرف ۱۴ صحابی
میدان میں ثابت قدم ہیں مگر وہ بھی آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے دور، ایک طلحہؓ وہ خوش نصیب شخص ہیں جو حضور علیہ السلام کے
قریب موجود ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے سیکڑوں
کفار نے گھیر لیا کہ آج شمع نبوت کو خاکم بدہن گل کر دیا جائے گا ہر طرف سے
تلواروں اور تیروں کی بوچھار ہونے لگی اور طلحہؓ آگے بڑھ بڑھ کر اس کو
روکنے لگے۔ تیروں کی بوچھار کو ہاتھوں پر روکتے تلواروں کے لیے سینے
کو سپر بناتے مگر آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ ہونے دیتے اتنے
میں ایک کافر نے ذات رسالتمآب پر حملہ کرنے کی کوشش کی جاں نثار
طلحہؓ نے آگے بڑھ کر تلوار کے حملے کو ہاتھ پر روکا انگلیاں کٹ کر گر گئیں
اضطراب اور بے چینی کے عالم میں بھی قدم میں لغزش نہ ہوئی اور
فرمایا حسن (کیا ہی خوب ہوا) اس طرح اپنی جان پر کھیل کر ذات
قدسی صفا صلی اللہ علیہ وسلم کو مجمع کفار سے بچا کر لے آئے۔ حضرت
طلحہؓ نے شجاعت اور بہادری کے جو جوہر اس موقعہ پر دکھائے اسے
تاریخ اسلامی یقیناً فخریہ طور پر پیش کر سکتی ہے ان کی اس طرح
بہادری نے تمام صحابہؓ کو متاثر کیا۔
چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوہ احد کا ذکر فرماتے

ع مہاجرین۔

تو کہتے کہ یہ طلحہ کا مخصوص دن ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے کہ طلحہ صاحبِ اُحد
ہیں خود حضرت طلحہؓ کو اپنے اس کارنامے پر بڑا ناز تھا اور فخریہ انداز میں
واقعات بیان فرماتے تھے نبی مکرم صلعم نے اسی جاں نثاری کے عوض آپ
کو "خیر" کا لقب مرحمت فرمایا۔
اسی طرح حضرت طلحہؓ نے تمام غزوات میں آگے بڑھ کر حصہ لیا اور
جاں نثاری و بہادری کی بینظیر مثالیں پیش کیں۔ میدان چھوڑ کر بھاگنا
تو جیسے طلحہ کو معلوم ہی نہیں تھا۔ بڑے سے بڑے آزمائشی موقع پر طلحہؓ کو
کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ غزوۂ اُحد ہی کی طرح غزوۂ حنین میں بھی
مسلمانوں کو ابتداءً آزمائش کے لئے شکست ہوئی اس موقع پر بھی
عام مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر جانے لگے مگر طلحہؓ
اس موقع پر بھی ثابت قدم رہے۔
جانی قربانی کے ساتھ ساتھ اسلام کے لیے مالی قربانی میں بھی حضرت
طلحہؓ کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ انھوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف
کے لئے اپنا مال راہِ خدا میں دیا کریں گے اور اپنے اس عہد کو اس پابندی
سے پورا کیا کہ قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی:
رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم
من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر، (ایسے بھی لوگ ہیں
جنھوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد کو کر دکھایا۔ بعض ان میں سے ایسے
ہیں جنھوں نے اپنی نذر پوری کی اور کچھ ایسے ہیں جو انتظار میں ہیں)۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو خوشخبری ملی کہ تم بھی نذر پوری کرنے والوں میں ہو۔

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور یہ پوری کی پوری رقم راہِ خدا میں خرچ کر دی۔ اسی طرح ان کی بیوی سعدیٰ بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ان کو بہت رنجیدہ دیکھ کر پوچھا آپ اسقدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو نہیں ہو گئی ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ میرے پاس بہت رقم جمع ہو گئی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟ میں نے کہا اس کو تقسیم کرا دیجئے۔ بس کر انھوں نے اسی وقت ایک لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ درہم کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرا دی۔

مسلمانوں میں باہم ہونے والی خونیں جنگ جنگ جمل نے مسلمانوں کے بہت سے بہادروں اور قابل ناز شخصیتوں کو چھین لیا انھیں میں ایک طلحہ بھی تھے جنھیں مروان کے ناپاک تیر نے مرتبہ شہادت پر فائز کیا۔ حضرت علیؓ نے جس وقت حضرت طلحہؓ کی لاش دیکھی تو ان کے ہاتھ چومے اور فرمایا یہ وہی ہاتھ ہے جو احد کے معرکہ میں حضور کے کام آیا۔ اور قلب اس حد تک متاثر ہو گیا کہ فرمایا: یالیتنی مت قبل ھذا بعشرین سنۃ (اے کاش کہ میں اس وقت کو دیکھنے سے بیس سال پہلے مر جاتا)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

جاہلیت کا نام عبد عمرو اسلامی نام عبدالرحمٰن کنیت ابو محمد والد کا نام عوف، والدہ کا نام شفا ہے۔ واقعہ فیل کے دس سال کے بعد پیدا ہوئے۔

صدیق اکبرؓ کی ہدایت پر ایمان لائے اور اسلام کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ نہایت صائب الرائے اور عقلمند تھے حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلافت کے لیے آپ کا بھی نام پیش کیا اور فرمایا کہ چھ آدمی (جن میں حضرت عبدالرحمٰن بھی ہیں) ایسے ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک خوش رہے۔

عام مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی اسلام کی خاطر بہت قربانیاں دینے کا موقع ملا۔ اکثر غزوات میں بھی شرکت کی غزوہ بدر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل آپ ہی کے اشارہ پر دو ننھے جانبازوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ غزوہ احد میں بھی آپ نہایت بہادری سے لڑے اور دشمنانِ اسلام کو تہہ تیغ کیا۔ اس کا اندازہ اسی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جنگ ختم کے بعد ۲۰ سے زائد زخم آپ کے جسم پر تھا

ع مہاجرین بحوالہ سیرت ابن ہشام۔

کئے گئے خصوصاً پیر میں تو ایسے زبردست زخم لگے تھے کہ صحت ہوجانے
کے بعد بھی لنگڑا کر چلتے تھے شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر
مامور ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اپنے دستِ مبارک
سے عمامہ باندھا اور ہاتھ میں علم دیکر فرمایا راہِ خدا میں روانہ ہوجاؤ۔ جو
لوگ خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہیں ان سے جہاد کرو لیکن نہ کسی کو دھوکا
دینا نہ بچوں کو مارنا اور وہاں پہونچکر انھیں دعوتِ اسلام دینا۔ اگر وہ
لوگ قبول کرلیں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کرلینا۔

حضرت عبدالرحمٰن ؓ ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے منزلِ مقصود پر پہونچے
اور اسطرح تبلیغ اسلام کا کام کیا کہ بنی قلب متاثر ہو گئے اور وہ لوگ حلقہ بگوش
اسلام ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کرلی۔

حضور کے خلفاء کے زمانے میں بھی آپ نے بہت اہم
مسئلوں کو نہایت بہتر طریقہ پر حل فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کی
خلافت کے سلسلے میں بھی آپ شریک مشورہ رہے اور آپ نے
تیسرے نمبر پر حضرت ابوبکر ؓ سے بیعت کی۔ خلیفۂ اول تمام اہم
اور انتظامی معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے انتقال کے وقت
آپ کو بلا کر خلافت کے سلسلہ میں مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق
ہوگیا کہ خلیفہ اول کے بعد حضرت عمر ؓ خلیفہ ہوں گے۔

؎ مہاجرین بحوالہ طبقات ابن سعد۔

اسی طرح فاروق اعظم ؓ کے زمانے میں بھی آپ تمام معاملات میں شریک
مشورہ رہے اور اکثر آپ ہی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

فاروق اعظم نے اپنے بعد خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش
کیا جس میں ان کا بھی نام تھا۔ حضرت عمر ؓ کے بعد آپ نے اس معاملہ
کو انتہائی سنجیدگی سے طے کیا اور باتفاق رائے حضرت عثمان ؓ کا نام
خلافت کے لئے پیش کر کے سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اسی کے ساتھ ساتھ حضرت عبدالرحمٰن خوفِ خدا میں بھی ممتاز تھے چنانچہ
ایک مرتبہ دن میں روزہ رکھا شام کو جب کھانا سامنے آیا تو بے اختیار
مسلمانوں کا فقر و فاقہ کا دور یاد آگیا اور فرمایا:

"مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے جب وہ شہید ہوئے تو
کفن کے لیے اتنی چھوٹی چادر میسر تھی کہ اگر ان کا پیر ڈھکا
جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھکا جاتا تو پیر کھل جاتا تھا۔ اسی
طرح حمزہ ؓ بھی مجھ سے بہتر تھے اور وہ بھی شہید ہوئے لیکن
ہمارے لئے دنیا کشادہ ہوگئی ہے اور اس قدر دنیاوی
نعمتیں میسر ہیں کہ مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا دنیا
ہی میں معاوضہ نہ دیا جا رہا ہو۔"

اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانا نہ کھا سکے
اور ہاتھ کھینچ لیا۔

نوفل بن ایاس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے کھانا لایا گیا گوشت اور

روٹی دیکھکر بے اختیار رونے لگے۔ میں نے پوچھا ابو محمد کیوں رو رہے ہو؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی مگر ساری عمر میں آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پیٹ بھر جَو کی روٹی بھی نہ مل سکی ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد اتنے دنوں تک ہمارا دنیا میں رہنا اچھا نہیں ہے۔

عہدِ عثمانی میں بتقاضائے عمر بالکل خاموش زندگی گذاری اور کسی مہم میں خاص دلچسپی نہیں لی یہاں تک کہ ۳۱ھ میں پچھتر سال کی عمر میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کیطرف رحلت کی۔ حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہوکر فرمایا۔ اذهب يا ابن عوف فقد ادركت صفوها وسبقت رنقها (اے ابن عوف جا تو نے دنیا کا صاف پانی پایا اور میلا پانی چھوڑ دیا)۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص جنازہ اٹھائے ہوئے کہہ رہے تھے: واجبلاہ یعنی افسوس کہ یہ پہاڑ بھی چل بسا۔

حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ

سعد نام ابو اسحٰق کنیت والد کا نام مالک اور کنیت ابو وقاص والدہ کا

نام حمنہ تھا۔ ۱۹ سال کی عمر میں کفر کی ظلمت سے طبیعت اوبھ گئی۔ اور نورِ اسلام نے اپنا شیدائی بنالیا۔ صدیق اکبرؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

تمام اصحاب کیطرح اسلام سے باز رہنے کے لیے آپ کے ساتھ بھی بہت تدبیریں کی گئیں مگر کبھی اس جاں باز کے پائے استقامت میں لغزش نہ ہوئی۔

ماںؑ نے لڑکے کی تبدیلئ مذہب کا حال سُنا تو نہایت ناراضگی کا اظہار کیا۔ بات چیت کھانا پینا سب ترک کر دیا۔ سعدؓ ماں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کے بہت اطاعت گذار تھے اس لیے یہ وقت ان کے لیے بہت آزمائشی تھا لیکن جو دل توحید کی لذت سے آشنا ہوچکا تھا وہ پھر کفر و شرک کیطرف کیسے رجوع کر سکتا تھا۔ خدائے تعالیٰ کو یہ جذبہ اور شانِ استقامت بہت پسند آئی اور حکم ہوگیا کہ خدا کی نافرمانی کسی صورت میں نہ ہوگی چاہے والدین کی اطاعت نہ ہو وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما (اور اگر تمہارے ماں باپ یہ چاہیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے تو تم اس معاملہ میں ان کی فرمانبرداری نہ کرو)۔

ؑ مہاجرین۔

استقلال اور بہادری سعدؓ کی زندگی کے گرانمایہ جوہر تھے۔ ہجرت سے
پہلے مکہ میں کفار کے خوف سے سنسان گھاٹیوں میں جاکر خدائے واحد کی
عبادت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند صحابہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں
مصروفِ عبادت تھے کفار کی ایک جماعت ادھر سے گذری اس نے
توحید کے متوالوں کے یہ نغمے سن کر مذاق اڑانا شروع کر دیا باوجود بے بسی
کے سعدؓ کی رگِ حمیت بھڑک اٹھی اور اونٹ کی ہڈی اس زور سے
کھینچ کر ماری کہ ایک دشمنِ اسلام کا سر پھٹ گیا۔

غزوات میں بھی حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر حصہ لیا اور کتنے ہی
دشمنانِ خدا اور رسولؐ کو نذرِ تیغ کیا اور رسولِ خداؐ سے بیش قیمت دعائیں
لیں۔

معرکۂ احد میں تیر اندازوں کی غلطی سے فتح شکست سے بدل گئی اور
مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، مگر سعدؓ میدان میں ڈٹے رہے اور
تیر اندازی کے بے نظیر جوہر دکھلاتے رہے۔

حضرت سعدؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے اس لیے جب
کفار کا نرغہ ہوا تو سرورِ دوعالم صلعم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے
جاتے اور فرماتے **یاسعد ارم فداك ابي وامي**
(اے سعد تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں) اور سعد اپنے
آقا کے منہ سے اس والہانہ جملہ کو سن کر نئے جوش کے ساتھ ایسا

عہ مہاجرین بحوالہ بخاری شریف۔

وار کرتے کہ دشمن کا صفایا ہو جاتا۔ دورانِ جنگ ایک مشرک سامنے آیا
حضورؐ نے حکم دیا کہ اسے تیر مارو۔ ترکش اس وقت تیروں سے خالی
تھا مگر حکم کی تعمیل کے لیے ایک ایسا تیر جس میں پھل نہیں تھا
تاک کر اس کی پیشانی پر مارا تیر لگتے ہی بدحواس ہو کر وہ گر پڑا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہادر سپاہی کی اس کامیابی اور دشمن کی
بدحواسی کو دیکھ کر بے اختیار ایسا ہنسے کہ دندانِ مبارک دکھائی
دینے لگے۔

اسی طرح حضرت سعدؓ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی خدمات
اور سرفروشانہ کاموں میں گذار دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
آپ کے خلفاء کے دور میں بھی حضرت سعدؓ کے بہادرانہ کارناموں کا سلسلہ
جاری رہا خصوصاً فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت میں آپ کا مایۂ ناز
کارنامہ جنگ قادسیہ ہے جس میں دشمن کو زبردست شکست ہوئی
اور اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اسی جنگ میں رستم بھی مارا گیا۔

حضرت سعدؓ میدانِ علم میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔
چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سعدؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے
سے نہ پوچھو۔ حضور علیہ السلام سے والہانہ عشق تھا اور اسلام
قبول کرنے کے بعد حضورؐ کے مقابلہ میں کسی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے
تھے چنانچہ ان کے سگے بھائی عتبہ نے حالتِ کفر میں غزوہ

اُحد کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا تھا
حضرت سعد فرماتے تھے کہ "واللہ عتبہ سے زیادہ میں کبھی کسی
شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا"

حضرت سعدؓ نے اپنے لیے مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر
ایک محل بنوا لیا تھا۔ بعد کو اسی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں
آنکھوں کی روشنی بھی ختم ہو گئی تھی یہاں تک کہ ۵۵ھ میں جان جاں
آفریں کے سپرد کی۔ حضرت سعدؓ کی وصیت تھی کہ کفن اس کپڑے
دیا جائے جو جنگ بدر میں میرے جسم پر تھا۔ چنانچہ اسی کا کفن د
گیا اور لاش مدینہ میں لائی گئی۔ امہات المؤمنین کی فرمائش پر
جنہیں حضرت عائشہؓ بھی تھیں اس جاں نثارِ رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کی نمازِ جنازہ مسجد نبوی میں ادا کی گئی اس کے بعد تدفین
عمل میں آئی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

اسم مبارک سعید اور کنیت ابوالاعور والد کا نام زید اور والدہ کا
نام فاطمہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے سگے بہنوئی تھے ان کے والد زید اگرچہ
حضور علیہ السلام کے اعلانِ نبوت کے وقت زندہ نہ تھے مگر ان کو ابتدا
ہی سے حضورؐ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ دین ابراہیمؑ پر قائم رہ کر

بت پرستی، شراب نوشی اور اسی طرح کے تمام فحش کاموں سے انتہائی
نفرت کرتے تھے۔ بتوں کا چڑھاوا بھی نہیں کھاتے تھے چنانچہ
اعلانِ نبوت سے قبل ایک مرتبہ زید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
ایک وادی میں جمع تھے حضور علیہ السلام کے سامنے کھانا پیش کیا
گیا تو آپؐ نے کھانے سے انکار کر دیا پھر زید کے سامنے پیش کیا گیا
تو انھوں نے بھی انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کا
چڑھاوا نہیں کھاتا ہوں۔

زمانہ جاہلیت میں جب اہل عرب عام طور پر اپنی لڑکیوں کو زندہ
دفن کر دیا کرتے تھے اس زمانے میں ان کو ان معصوم بچیوں پر بہت
ترس آتا تھا اور کسی بھی باپ کو دیکھتے کہ وہ اپنی بچی کو دفن کرنے کا
ارادہ کر رہا ہے تو اس سے کہہ سن کر اس بچی کی کفالت اپنے ذمے
لے لیتے تھے۔

اعلانِ نبوت کے بعد حضرت سعیدؓ نے فوراً اسلام قبول کیا
کیونکہ انکے باپ زید کے موحد ہونے کی وجہ سے ان کے لیے یہ دین کوئی
اجنبی نہیں تھا ان کے ساتھ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن فاطمہ نے بھی
جو ان کی بیوی تھیں اسلام قبول کیا۔

عمرؓ اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے
اور کفر پر انتہائی متشدد تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہمارے ہی
بہنوئی اور بہن نے اسلام قبول کر لیا ہے تو انتہائی جوش و خروش

کے ساتھ ان کے گھر پہونچے اور وہاں جاکر ان دونوں سے پوچھا
کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے جب جواب اثبات میں ملا تو
غضبناک ہوئے اور اس قدر مارا کہ دونوں لہولہان ہو گئے مگر
استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ ہوئی اور ہر مرتبہ سوال کرنے
یہی جواب ملتا رہا کہ اے عمرؓ اب ہم اسلام سے کسی صورت
انحراف نہیں کر سکتے تو عمرؓ کے دل پر بہت اثر ہوا جس کے
میں اسلام قبول کیا۔

حضرت سعیدؓ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور نہایت
بہادری اور پامردی سے لڑے آپ کے دل میں شوق جہاد بے انتہا
اور راہ خدا میں قربان ہونے کو ہر چیز پر فوقیت دیتے تھے جس کا اندازہ
اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں جنگ
یرموک کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کا گورنر بنا کر
دیا۔ کچھ دن اس خدمت کو انجام دینے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کو
پاس کہلوایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں
سے محروم رہوں لہذا جلد میری جگہ پر کسی دوسرے آدمی کا انتظام کیجئے
میں عنقریب میدان میں آنیوالا ہوں چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے ایسا ہی
کیا اور اس مجاہد نے رزم گاہ میں آکر اپنی پیاس بجھائی۔

مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر عقیق نامی بستی میں آپ

عہ ماخوذ مہاجرین۔

تھا وہیں سنہ ۵۱ھ یوم جمعہ ستر سال کی عمر میں عالم فنا سے عالم بقا
کی طرف رحلت فرمائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا اور
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مدینہ طیبہ مدفن بنا۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

نام عامر، کنیت ابوعبیدہ، امین الامۃ لقب، والد کا نام عبداللہ
دادا کا نام جراح تھا۔

یار غار صدیق اکبرؓ کی تلقین و ہدایت پر ایمان و اسلام کی دولت سے
بہرہ ور ہوئے۔ بہت ہی بہادر اور سرفروش تھے اسلام کی خاطر انکی
جانبازیاں بے نظیر ہیں اول دن ہی سے قربانیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا
تھا مگر نہایت صبر آزما اور امتحانی مواقع پر استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں
چھوڑا۔

تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شرکت کی مشرکین مکہ اور مسلمانوں
کے درمیان ہونیوالے پہلے غزوے غزوۂ بدر میں بے مثال جوہر دکھائے
اور اسلام کی راہ میں آنیوالے ہر روڑے کو بغیر کسی رعایت کے دھکا
دیکر ہٹا دیا۔ چنانچہ ان کے والد کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ وہ
آس تاک کر ابوعبیدہؓ پر حملہ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ابوعبیدہؓ
طرح دیتے رہے مگر یہ بات زیادہ دیر نہ قائم رہ سکی اور آخر اسلام کی

بت قرابت پر غالب آگئی اور ایسا وار کیا کہ دشمنِ اسلام کا صفایا ہوگیا۔
اسی طرح غزوۂ احد میں بھی نہایت بہادری کے ساتھ لڑے ا
بانیاں دیں حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا
رہ کی دو کڑیاں چبھ گئیں آپ نے اسے اپنے دانتوں سے کھینچ کھینچ کر
سکے نکالنے میں) دو دانت شہید ہوگئے اسی طرح تمام غزوات میں ڑ
بڑھ کر حصہ لیا۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی آپ نے بہت اہم
جنگوں میں شرکت کی اور اسلام کو حیاتِ جاودانی بخشی۔

حضرت ابوعبیدہ رضؓ ایک بہادر سپاہی کے ساتھ ساتھ نہایت
ہی خدا ترس متبع سنت بزرگ تھے خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمو
اقعات ان کیلئے سرمایۂ عبرت بن جاتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھ
یا دیکھا کہ زار و قطار رو رہے ہیں اس نے پوچھا کہ اے ابوعبیدہ کیا با
ہے کہنے لگے ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی آئند
توحات اور خوشحالی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبیدہ! شام
ریکیں ہوتے وقت تک اگر تم زندہ رہو تو تمہارے لیے تین خادم کافی
ہوں گے۔ ایک تمہاری ذات کے لیے دوسرا تمہارے اہل و عیال
لئے اور تیسرا سفر میں ساتھ جانے کے لئے اسی طرح تمہارے لیے تین
انور کافی ہوں گے۔ ایک تمہارے لیے ایک تمہارے غلام کیلئے اور

ے مہاجرین بحوالہ طبقات ابن سعد

یک مال و اسباب کیلئے، لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے
ور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو
کیا منھ دکھاؤں گا۔

بے نیازی اور توکل علی اللہ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دنیا
کے عیش و آرام کو اسی قدر اپناتے جس قدر زندگی گذارنے کے لیے درکا
ہوتا زائد ملنے پر بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ نے انکے
پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بھیجے کہ بطور انعام انھیں قبول
لیں انھوں نے تمام رقم لے کر فوج میں تقسیم کردی اور اپنے پاس
کچھ نہ رکھا۔ فاروق اعظم رضؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بہت متاثر ہوئے
ور فخریہ انداز میں کہا کہ الحمد للہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔

فرمانِ نبوی پر دل و جان سے قربان تھے آخر آخر ذرا بھی سنت
نبوی کے خلاف کرنا گوارہ نہیں کیا۔ چنانچہ جب ۱۸ھ میں شام میں
طاعون پھیلا تو حضرت عمر رضؓ خود انتظام و انصرام کے لیے گئے اور اکابر
صحابہ رضؓ سے مشورہ کے بعد انھوں نے یہ اعلان عام کرا دیا کہ کل صبح میں
واپس مدینہ جاؤں گا میرے ساتھ سب لوگ وہیں چلیں۔ حضرت ابوعبیدہ
نے جب یہ اعلان سنا تو حضرت عمر رضؓ سے کہا کہ "کیا آپ تقدیر
الٰہی سے بھاگ رہے ہیں"، حضرت عمر رضؓ حضرت ابوعبیدہ
کا بہت لحاظ کرتے تھے اس لیے فرمایا کاش تمہارے سوا کوئی دوسرا
یہ بات کہتا ہاں تقدیرِ الٰہی سے بھاگ رہا ہوں مگر تقدیرِ الٰہی کی طرف

غرضیکہ حضرت عمر رضؓ واپس آگئے اور حضرت ابوعبیدہؓ وہیں رہ گئے۔ مدینہ واپس آکر حضرت عمر رضؓ نے پھر ان کو بلوایا مگر وہ پھر نہیں آئے کیوں کہ حضرت ابوعبیدہؓ تقدیر کے بہت شدت کے ساتھ قائل تھے بعلاوہ ازیں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ان کے پیش نظر تھا کہ طاعون زدہ مقام پر نہ جاؤ اور اگر پہلے سے وہاں موجود ہو تو پھر تقدیر الٰہی پر بھروسہ کرکے وہاں سے نہ ہٹو۔

آخر کار یہ بھی اسی مرض کے شکار ہو گئے اور جب اپنی جان سے بالکل مایوس ہو گئے تو لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: یہ مرض خدا کی رحمت اور تمہارے نبی کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاء اس میں جاں بحق ہوئے ہیں اور اب ابوعبیدہ بھی اپنے رب سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے،

اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندے کی دعا سن لی اور اس کی آرزو پوری کردی یعنی ابوعبیدہؓ نے اسی مرض میں بعمر ۵۸ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے ایک موثر تقریر کی اور کہا لوگو! آج تم میں سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ صاف دل عاقبت اندیش اور خیر خواہِ خلق نہیں دیکھا۔ پس تم لوگ اس کیلئے دعائے مغفرت کرو۔

* * *

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حمزہ نام، ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، والد کا نام عبدالمطلب والدہ کا نام ہالہ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور دودھ شریک بھائی تھے۔ یعنی ابولہب کی باندی حضرت ثویبہؓ کا دونوں نے دودھ پیا تھا۔ عمر میں حضور علیہ السلام سے ۲ سال بڑے تھے۔

حضورؐ کو آپ سے بہت محبت تھی شمشیر زنی، تیر اندازی، ان چیزوں سے بچپن سے بہت رغبت تھی۔ اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب و غریب ہے۔

ایک مرتبہ یہ سیر و شکار سے واپس آرہے تھے کہ ایک بڑھیا راستے میں ملی اس نے کہا اے ابوعمارہ کاش تم تھوڑی دیر پہلے اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے وہ کعبۃ اللہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے کہ ابوجہل نے ان کو بہت گالیاں دیں اور بہت ستایا لیکن محمدؐ اپنی بے بسی کی وجہ سے کچھ نہ بولے اور واپس چلے گئے۔ یہ سننا تھا کہ رگِ ہاشمی بھڑک اٹھی اور تیزی کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف چل دئے وہاں پہنچکر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگ اس کی مدد کیلئے آئے اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حمزہ بھی بد دین ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضؓ نے نہایت بہادری سے کہا ہاں جب مجھ پر اس دین (اسلام) کی حقانیت واضح ہو گئی تو

میں نے اسے قبول کر لیا تم میں سے جس میں ہمت ہو مجھے روک لے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان لانے سے بڑی مسرت ہوئی اور اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی بہت بڑے بہادر اور جانباز تھے اگرچہ ان کو بہت کم عرصہ اسلام کے دامن میں رہنے کا موقع ملا لیکن اس کم عرصہ میں ہی بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور اسلام کو بہت فائدے پہنچائے۔

چنانچہ غزوہ بدر میں آپ نے شرکت کی اور چھانٹ چھانٹ کر سرداران مشرکین کو جہنم رسید کیا دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور مشرکین کی گردنیں ان کا نشانہ تھیں۔ جس طرف سے گزر جاتے صفیں کی صفیں الٹ دیتے چنانچہ جب حق و باطل کی معرکہ آرائی ختم ہو گئی اور باطل کو حق کے سامنے منہ پھیرنا پڑا اور ان کے آدمی گرفتار ہو کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ مسلمانوں کی جانب سے لڑنیوالا وہ مجاہد کون تھا جس کے عمامہ میں کلغی لگی تھی مسلمانوں نے بتایا کہ وہ حمزہ رض تھے۔ قیدیوں نے کہا آج اسی شخص نے ہم کو سب سے زائد نقصان پہنچایا ہے۔

کفار نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی اس طرح کی شکست سے تلملا اٹھے اور ۳ھ میں پھر وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کیلئے نکلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو ساتھ لیکر انھیں دامن احد میں روکا اور وہیں جنگ شروع ہوئی۔ کفار کیطرف سے سباع نامی ایک شخص آگے بڑھا اور مسلمانوں کیجانب سے اپنے مقابلے کیلئے آدمی

طلب کیا۔ حضرت حمزہ رض میدان میں آئے اور اسکو مخاطب کر کے کہا۔ اے سباع، اے مضغرہ نجس کے بچے تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے یہ کہکر اس زور سے اس پر حملہ کیا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ بدر کی طرح اس موقع پر بھی حضرت حمزہ رض نے اپنی بہادری اور جرائت کے بینظیر جوہر دکھائے اور تنہا انھوں نے تیس کفار کو جہنم رسید کیا۔ چونکہ حضرت حمزہ رض نے بدر کے موقع پر چن چن کر سرداران قریش کو تہہ تیغ کیا تھا اس لیے مشرکین قریش سب سے زائد انھیں کے خون کے پیاسے تھے چنانچہ جبیر مطعم نے اپنے چچا کا بدلہ لینے کے لیے خاص طور پر ایک غلام وحشی کو صرف حضرت حمزہ رض کے قتل پر مامور کیا تھا۔ وہ ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھ گیا اور یہ ادھر سے گزرے تو اس نے تاک کر ایسا حملہ کیا کہ اس مجاہد بے بدل نے وہیں گر کر مشروب شہادت پی لیا۔ اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے ناک کان کاٹ کر ہار پہنا اور جگر نکال کر کھانے کی کوشش کی کہ اس کے بطن سے بھی حمزہ رض جیسے مجاہد پیدا ہوں۔

سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بہت صدمہ ہوا اور لاش پر تشریف لا کر فرمایا: رحمۃ اللہ علیك فانك كنت ما علمت وصولاً للرحم فعولاً للخيرات (تم پر خدا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

عباس نام، ابوالفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی قریش کے ایک معزز سردار تھے خانہ کعبہ کا انتظام وانصرام اور حجاج کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے ورثہ میں ملا تھا۔

اسلام بہت دیر میں قبول کیا لیکن اسلام اور داعی اسلام سے ہمیشہ محبت رہی۔ حالت کفر میں بھی کبھی اسلام کے خلاف برسر پیکار نہیں ہوئے۔ بدر کے موقعہ پر کفار زبردستی کھینچ کر میدان میں لائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت معلوم تھی اس لئے آپ نے صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ عباس زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں اس لئے اگر کسی مسلمان کی تلوار کی زد میں وہ آئیں تو وار نہ کرے۔ جنگ کے بعد کافر قیدیوں میں عباس بھی تھے۔ اتفاق سے ان کی مشکیں زیادہ زور سے بندھ گئیں تھیں جس کی وجہ سے انھیں بہت تکلیف تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کراہنے کی آواز سنکر بیچینی کی وجہ سے رات بھر آرام نہ فرما سکے۔ جب صحابہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔

مسلمان نہ ہونے کے باوجود ان کی طبیعت اسلام کیطرف بہت مائل تھی چنانچہ یہ کفار کی خبریں حضورؐ کو آکر دیتے تھے اور انکے راز سے

حضورؐ کو آگاہ کرتے تھے حضورؐ سے بہت محبت کرتے تھے اور دل سے یہ چاہتے تھے کہ حضورؐ کا مشن اسلام زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ اس دوران مکہ تشریف لائے جب کہ جنگ خیبر در پیش تھی کفار کی توجہ ہمہ تن اسی طرف تھی اور مدینہ کی طرف سے آنیوالے ہر شخص سے وہاں کی خبریں معلوم کرتے۔ حجاجؓ کے آنے پر ان سے بھی معلوم کیا انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی اور ان کے اکثر جاں نثار قتل کر دیے گئے میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں اپنا مال و متاع لے کر وہاں پہونچ جاؤں تاکہ دوسرے تجار کو خبر ہونے سے پہلے میں تمام مالِ غنیمت خرید لوں۔ تمام کفار اس خبر کو سنکر بہت خوش ہوئے اور ان کے گھروں میں چراغاں ہونے لگا۔ مگر عباسؓ کا دل بجھ گیا۔ بظاہر تو کوئی بات نہیں تھی مگر حقیقت یہی تھی کہ وہ جو دل سے چاہتے تھے نہیں ہوا۔ آخر اسی بیقراری میں جا کر حجاج سے ملے اور پوچھا کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟ حجاج نے کہا نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو فتح ہوئی ہے اور میں مسلمان ہو گیا ہوں مگر میں نے اس خبر کو صحیح اس لئے نہیں بتایا کہ پھر میں اپنا مال و اسباب نہیں لے جاسکوں گا یہ سن کر حضرت عباسؓ کو سکون ہوا اور اب انھیں دلی فرحت نصیب ہوئی۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے ۸ھ میں اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ شریف لے گئے۔ غزوات میں بھی شرکت کی۔ جنگ حنین میں آپ حضورؐ

نہ مہاجرین۔

کی سواری کی مہار پکڑے تھے۔ اثنائے جنگ میں جب مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی اور بھگدڑ مچ گئی تو حضورؐ کے ارشاد پر آپ نے مسلمانوں کو این اصحاب السمرة کی آواز دے کر پکارا اور مسلمان پلٹ کر آئے اور انھیں کامیابی ہوئی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے اور چچا ہونے کی حیثیت سے ان کی بہت تعظیم کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے انھوں نے تمام مسلمانوں کی طرح حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی انھوں نے کچھ پس و پیش کی تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا۔ حضورؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا عمر تم بدر کے موقع پر فدیہ میں عباس سے بہت کچھ لے چکے ہو وہ اللہ کے رسولؐ کے چچا ہیں اور چچا باپ کے برابر ہوتا ہے اسی لحاظ سے صحابہؓ بھی آپکی بہت عزت کرتے تھے۔ زمانۂ خلافت میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کبھی گھوڑے پر سوار ہوتے اور آپ سامنے آجاتے تو تعظیماً اتر پڑتے حضرت عمرؓ ملکی معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے اور آپ سے دعا کرواتے۔ قحط عام الرمادہ کے موقع پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا خداوندا پہلے ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے اور اب ہم ان کے بعد ان کے چچا کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوئے ہیں ان کے طفیل میں ہمیں سیراب کر دے اس کے بعد حضرت عباسؓ نے دعا مانگنا شروع کی تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر بادل گھرنے لگے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد خوب

بارش ہوئی۔ اس غیر متوقع بارش سے لوگ انتہائی خوش ہوئے اور حضرت عباسؓ کے ہاتھ پیر چوم چوم کر کہتے ساقی حرمین مبارک ہو۔

۳۲ھ میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں اٹھاسی سال کی عمر میں جمعہ کے دن حضرت عباسؓ نے وفات پائی۔ خلیفہ نے نمازِ جنازہ پڑھا کر لحد خاکی کے سپرد کیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔

اعلانِ نبوت کے بعد بہت جلد اسلام قبول کیا۔ سات آٹھ آدمیوں کو آپ سے قبل اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی۔

اسلام کی خاطر جن لرزہ خیز مظالم کا آپ کو سامنا کرنا پڑا انھیں سوچ کر ہی دل کانپ اٹھتا ہے۔ جس وقت اسلام قبول کیا اس وقت ایک کافر کے غلام تھے۔ آزاد مسلمانوں کو ہی طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا پھر یہ تو غلام تھے۔ کمزور تو ہمیشہ ظلم و ستم کی آماجگاہ رہتا ہے۔ مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا اور اوپر سے پتھر رکھ دیا جاتا، صبح سے شام تک اسی طرح رہنے دیا جاتا۔ شام کو ایک آبلہ پورے جسم پر

ہوتا۔ اس آبلہ پر مشرکین کے لڑکے کوڑے برساتے ہوئے مکے کی گلیوں میں مذاق اڑاتے ہوئے ٹہلاتے اور کہتے بلال باز آجاؤ اس دین سے بلال جواب میں احد احد کہتے۔ ابو جہل منہ کے بل سنگریزوں پر لٹاتا اور سے چکی رکھ دیتا جب آفتاب کی گرمی بیقرار کر دیتی تو کہتا بلال اب بھی محمد کے خدا سے باز آجاؤ مگر اس وقت بھی دہن مبارک سے احد احد ہی کا کلمہ نکلتا۔

امیہ بن خلف سب سے زائد تکلیفیں پہنچاتا۔ وہ ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کر کے بلالؓ کو اس کی تجربہ گاہ بناتا کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا تمہارا خدا لات و عزیٰ ہے لیکن ان تمام مصائب کے باوجود اس توحید کے متوالے کی زبان سے احد احد کا کلمہ نکلتا۔ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ اس طرف سے گذرے تو اس وحشیانہ سلوک کو دیکھ کر بے چین ہو گئے اور ایک کثیر رقم سے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

بلالؓ نے آزادی کے بعد خدمت رسول کو اپنا لیا اور ہمہ تن اس طرف مصروف ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوں یا حضر میں ہر جگہ بلالؓ ان کے ساتھ رہتے مدینہ پہونچ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شعائر اسلام کی تکمیل کا کام شروع کیا۔ مسجد کی تعمیر ہوئی اور بلال مؤذن مقرر ہوئے۔ حضرت بلال کی آواز اس قدر دلکش اور مسحور کن تھی کہ مرد اپنے کاروبار، عورتیں اپنے کام دھندے، بچے اپنے کھیل کو ترک کر کے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور بلالؓ نعرۂ توحید

بلند کر کے توحید کے متوالوں کو بے چین کرتے رہتے۔ اذان کے
بعد جماعت کی تیاری ہوتی اور بلال رضؓ اپنی لحن خاص سے تکبیر اقامت
سے خدائے ذوالجلال کی جناب میں صف بصف سربسجود ہونے کی
دعوت دیتے۔

حضرت بلال رضؓ حضورؐ کے مؤذن خاص تھے سفر کے موقع پر بھی
یہی اذان دیتے چنانچہ ایک مرتبہ سفر میں حضورؐ کے ساتھ تھے راستے
میں رات ہوگئی۔ صحابہ کی خواہش ہوئی کہ یہیں پڑاؤ کیا جائے حضرت
بلال رضؓ نے نماز فجر کے وقت اٹھانے کی ذمہ داری لے لی۔ کیونکہ انھیں
اپنی شب بیداری پر بھروسہ تھا ان کی ذمہ داری پر سب لوگ مشغول
راحت ہوگئے اور وہ خود بیٹھ کر رات گذارنے لگے اتفاق سے ان
کی آنکھ بیٹھے ہی بیٹھے لگ گئی اور بیداری اس وقت ہوئی جب
طلوع آفتاب ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بلال تمہاری
ذمہ داری کہاں گئی عرض کیا آج کے ایسا مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا
ارشاد فرمایا خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کرلیتا ہے اور
جب چاہتا ہے تم میں واپس کردیتا ہے۔ اچھا اٹھو اور اذان دیکر لوگوں
کو نماز کے لئے جمع کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال رضؓ بہت
پژمردہ اور ملول رہنے لگے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی بیش بہا دولت
چھین لی گئی اس کے بعد انھوں نے اذان دینا چھوڑ دیا کیونکہ جب

وہ اذان دیتے تو ان کا دل بے قرار ہوجاتا اور واقعات گذشتہ کی
یاد تازہ ہوجاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے اصرار پر
اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو روتے روتے برا حال ہوگیا۔

مؤذن رسولؐ کی پُرکیف اذان سنکر سب کے سامنے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نقشہ پھر گیا اور سب کے قلب بیقرار
ہوگئے۔ حضرت عمر رضؓ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ
اور حضرت معاذ ابن جبل رضؓ کی بھی بری حالت تھی۔ غرض یہ کہ تمام
صحابہ رضؓ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

مدینہ میں رہ کر عاشق رسول کو اپنے محبوب کی یاد زیادہ ستاتی تھی۔
اس لئے خلیفۂ دوم کے زمانے میں ان کی اجازت سے شام کی طرف
ہجرت کی۔ کافی عرصہ گذر جانے کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں "بلال یہ خشک زندگی کب تک، کیا
تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو" اس خواب نے
بلال رضؓ کو گذشتہ زندگی کے افسانے پھر یاد دلا دئے اور ان کے قلب
کو بیچین کردیا۔ اسی وقت مدینہ منورہ روانہ ہوگئے اور روضۂ نبویؐ پر حاضر
ہوکر تڑپنے لگے۔ آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں تھا اور دل
بیچین تھا اور رو رو کر اپنے محبوب سے اپنی حاضری کو بیان کررہے تھے
حضرات حسنین رضؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کیا۔ انھوں نے فرمائش کی کہ آج صبح
آپ اذان دیں۔ اگرچہ بلال رضؓ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے مگر فرزندان رسولؐ

کی بات نہ ٹالی گئی اور صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرۂ توحید
بلند کیا اور ایک مرتبہ پھر سب کے سامنے حضور کی زندگی کا منظر
گئے قلب بے چین ہو گئے اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ
پر تو عورتیں بھی گھروں سے نکل پڑیں اور تمام فرزندانِ توحید کے
آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ حتی کہ مدینہ میں اس سے پہلے کبھی ایسا پُر اثر
دیکھنے میں نہیں آیا تھا عہ

عاشقِ رسول بلال رضی اپنے آقا کی مفارقت زیادہ دن برداشت
نہ ہوئی اور دائمی رفاقت کے لیے سنہ ۲۰ھ میں ۵۰ سال کی عمر میں
دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور مدینہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

اسم مبارک زید، کنیت ابو اُسامہ، لقب حِبِّ رسول تھا۔ والد
کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدیٰ تھا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت محبوب غلام تھے اور بعد میں
آپؐ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ آنحضرتؐ کی غلامی کا شرف
اس طرح حاصل ہوا کہ بچپن میں ایک مرتبہ یہ اپنی ماں کے گھر میں تھے
کہ ایک قبیلہ ادھر سے غارت گری کرتا ہوا گذرا اس نے حضرت زیدؓ کو
وہاں سے اٹھا کر غلام بنا لیا اور لا کر بازار میں فروخت کیا مگر قسمت بل

عہ مہاجرین بحوالہ اسد الغابہ

تھی غلامی میں شہنشاہی مقدر تھی حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے خرید کر
ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا۔ ان کے
واسطے سے سرکارِ دو عالم تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا
شرف حاصل ہوا۔ اور اس غلامی پر اس قدر نازاں تھے کہ اسی کی خاطر
ماں باپ چچا آزادی ہر چیز کو ترک کر دیا۔ ادھر ان کے والدین کو اپنے
لختِ جگر کے اس طرح گم ہو جانے سے بے انتہا صدمہ تھا۔ ایک
مرتبہ ان کے قبیلے کے کچھ لوگ مکہ آئے انھوں نے ان کو یہاں دیکھ
کر ان کے والدین کو خبر کی ان کے باپ اور چچا روتے ہوئے بارگاہِ
نبویؐ میں حاضر ہوئے اور انتہائی بے چارگی کے ساتھ کہا اے عبداللہ
کے بیٹے۔ اے عبدالمطلب کے فرزند۔ اے رئیس قوم کے لختِ جگر
تم حرم کے مجاور ہو۔ مصیبت زدوں کی دستگیری کرتے ہو تم ہماری
مصیبت دور کرو اور ہمارے لڑکے کو آزاد کر دو۔ اس کے عوض ہم
سے جتنا چاہو فدیہ لے لو۔ ارشاد ہوا وہ کون ہے؟ انھوں نے کہا
زیدؓ بن حارثہ۔ حضورؐ نے فرمایا اس معاملہ کو زید پر ہی رکھ دو وہ اگر
تمہیں پسند کرے تو تم لے جاؤ اور اگر تمہارے مقابلہ پر مجھے ترجیح دے
تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے ترجیح دینے والے پر کسی
کو ترجیح دوں۔ ان لوگوں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ حضرت زید
کو بلا کر حضور علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم ہم دونوں میں کس
کو ترجیح دیتے ہو۔ حضرت زیدؓ کو شہنشاہِ کونین کی غلامی میں جو مزہ ملا تھا

وہ باپ اور چچا کے ساتھ والی آزادی میں کہاں مل سکتا تھا۔ فوراً جواب دیا۔ نہیں ایسا نہیں کہ حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں آپ ہی میرے ماں باپ ہیں۔ باپ چچا کو اس بات سے بہت تعجب ہوا اور کہا افسوس کہ تم باپ چچا، آزادی ہر چیز پر غلامی کو ترجیح دے رہے ہو۔ حضرت زید نے فرمایا ہاں اس ذات قدسی صفات میں کچھ ایسی ہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضورؐ نے فرطِ محبت میں اسی وقت خانۂ کعبہ میں لیجا کر اعلان فرمایا کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے اس کا میں اور یہ میرا وارث ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ نبوت کے بعد حضرت زیدؓ نے فوراً اسلام قبول کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے آپ ہی کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہے۔

حضرت زیدؓ نے اول ہی دن سے حضورؐ کی خوشنودی کی باتیں کیں اور کوئی موقعہ حضورؐ کی خوشنودی کا ہاتھ سے نہ جانے دیتے حتیٰ کہ اپنی زندگی کی تمام راحتیں حضورؐ ہی کے نام وقف کر دی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ام ایمنؓ کے متعلق جو حضورؐ کی کنیز اور آیا تھیں اور عمر میں حضرت زیدؓ سے بہت بڑی تھیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے ام ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے۔

حضرت زیدؓ نے محض حضورؐ کی خوشنودی کے لیے عمر کے تقابل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان سے نکاح کر لیا۔ انہی کے بطن سے اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ صحابۂ کرام حضرت زیدؓ کی اس جاں نثاری اور حضورؐ کی بے انتہا شفقت سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت زیدؓ کے پوتے محمد بن اسامہؓ کو مسجد میں دیکھ کر گردن تعظیم سے جھکا لی اور کہا کہ اگر اللہ کے رسولؐ اسے دیکھتے تو اس سے بھی بہت محبت فرماتے (کیونکہ اس کا تعلق زید سے ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی شفقت اور محبت کی وجہ سے انھیں حِب رسول یعنی محبوبِ رسول کا بیش قیمت لقب مرحمت فرمایا تھا۔ اسی طرح ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضور کی وفات تک زیدؓ زندہ رہتے تو آپ انھیں کو اپنا جانشین بناتے۔

حضرت زیدؓ نے غزوۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک تمام غزوات میں شرکت کی چونکہ ان کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا اس لئے اس کے ذریعہ کتنے ہی دشمنانِ اسلام کو واصلِ جہنم کیا اس کے علاوہ دوسری چھوٹی چھوٹی مہموں میں حضرت زیدؓ نے سردارِ لشکر کی حیثیت سے بھی دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔ ۹ مرتبہ سپہ سالارِ لشکر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک صحابیِ رسولؐ شاہ بصرہ کے دربار میں سفارت کی خدمت

عہ مہاجرین۔ "طبقات ابن سعد"

[ا]نجام دیکر واپس آرہے تھے کہ مقام موتہ پر انھیں شرجیل بن عمرو غسانی نے شہید کر دیا یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربارِ رسالت کے قاصد کو اسطرح شہید کیا گیا ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قصاص کیلئے تین ہزار مجاہدین کو حضرت زیدؓ کی قیادت میں روانہ فرمایا۔ دشمن کو اس کی خبر ہو گئی اس کی طرف سے ایک لاکھ کا لشکرِ جرار مقابلہ کے لئے آیا مگر حضرت زیدؓ نے پرواہ نہ کی اور لشکر کے اندر گھس گئے اور دشمن کو زبردست نقصان پہنچایا۔ اسی حالت میں ایک تیر آکر ان کے لگ گیا اس طرح اسلامی فوج کے سپہ سالار اور آنحضرت صلعم کے چہیتے غلام حضرت زید بن حارثہ نے ۸ھ میں اسی میدان میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس خبر سے حضورؐ کو بہت صدمہ ہوا حتیٰ کہ حضرت زیدؓ کی صاحبزادی کو روتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ یہ دیکھکر ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیا ہے۔ فرمایا یہ جذبۂ محبت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک لشکر حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں تشکیل دیا۔ یہ لشکر ابھی پہلی ہی منزل تک پہونچنے پایا تھا کہ حضور علیہ السلام کی وفات کا حادثہ پیش آگیا۔ حضور علیہ السلام کے خلیفۂ اول سیدنا صدیق اکبرؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا جو اپنی مہم سے سرخرو اور بامراد واپس آیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

آپ کا نام حسنؓ والد کا نام علیؓ اور والدہ کا نام فاطمہؓ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی چہیتے نواسے تھے۔ اور آپکو بہت محبوب تھے۔ رمضان ۳ھ میں ولادت ہوئی۔ ولادت کی خبر سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور انکو سامنے لانے کا حکم دیا۔ سامنے آنے کے بعد حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن انکے تالو میں لگایا اور ان کے لئے دعا کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان کا نام کیا رکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حربؔ[1] حضورؐ نے فرمایا نہیں حسنؔ نام رکھو۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بہت شفقت فرماتے

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت ہی بہادر اور جنگجو تھے اور حرب کے معنی جنگ کے ہیں اس لئے وہ ان کا یہ نام رکھنا چاہتے تھے تاکہ اپنی کنیت ابوالحرب رکھ سکیں۔ اسی شوق میں انھوں نے اپنے بعد کے دونوں صاحبزادوں کا یہی نام رکھنا چاہا مگر حضورؐ نے ہر بار منع فرمایا۔ ۱۲

تھے انھیں اپنے کاندھے پر بٹھا کر باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں یا ان کے بھائی حضرت حسین رضؓ کو ایک صحابی نے حضور صؐ کے کاندھے پر سوار دیکھکر فرمایا۔ نعم المرکب۔ نعم المرکب (کیا خوب سواری ہے، کیا خوب سواری ہے) حضور صؐ نے ارشاد فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو نعم الراکب۔ نعم الراکب (کیا خوب سوار ہے کیا خوب سوار ہے) بہت زائد عبادت گذار اور رضئ الٰہی پر چلنے والے تھے کئی حج پیدل کئے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملوں اور اس کے دربار میں ایک مرتبہ بھی پیدل نہ حاضر ہوا ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت انکی عمر سات سال سے کچھ زائد تھی مگر آنحضرت صؐ کی باتیں یاد تھیں اور آپ سے احادیث مروی ہیں۔ محدثین کے یہاں راویوں کے مختلف مرتبے ہوتے ہیں۔ آپ کو اس جماعت میں شامل کیا گیا ہے جن سے تیرہ حدیثیں مروی ہیں۔ آپ کی روایت کردہ حدیثوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ فرمایا کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا راستے میں صدقے کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا تھا میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منھ میں رکھ لی۔ حضور صؐ نے فرمایا تھو تھو تو کو

؎ حاشیہ مشکوٰۃ شریف ۱۲

ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔

اسی طرح انہی سے مروی ہے کہ حضور صؐ نے فرمایا جو شخص نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلّی پر بیٹھا رہے اسے جہنم سے نجات ملیگی ؎ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی شہادت کے بعد چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد میں آپ نے حکومت کی باگ ڈور حضرت معاویہ رضؓ کو سونپ دی سنہ ۵۰ھ میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے ؎

حضرت حسین رضی اللہ عنہ

اسم مبارک حسین رضؓ والد کا نام علی رضؓ اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ رضؓ تھا ولادت حضرت حسن رضؓ کے ایک سال بعد شعبان سنہ ۴ھ میں ہوئی۔

بڑے بھائی کی طرح ان کی ولادت کی خبر سنکر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے انھیں طلب کر کے کھجور چبائی اور اس کا لعاب ان کے دہن مبارک میں لگایا۔ اس کے بعد ان کے والد سے نام کے متعلق دریافت کیا انھوں نے اس مرتبہ بھی حرب نام تجویز کیا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی نام بدل کر حسین کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔

؎ حکایات صحابہ رضؓ ؎ مشکوٰۃ فی بیان اسماء الرجال ؎ تذکرۂ حسین رضؓ بحوالہ ترمذی۔

اور آپ کو بہت ناز و نعمت میں رکھتے تھے۔ بہت خوش نصیب لوگوں میں تھے۔ نواسۂ رسولؐ تھے۔ شہادت کا مرتبہ ملا، جنت کی دنیا ہی میں خوشخبری ملی اور نہ جانے کتنی ہی قابلِ فخر باتیں آپ میں جمع تھیں جس دن ان کی ولادت ہوئی اسی رات خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک فرشتہ آیا ہے اور وہ یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات حسنینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں؎۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت حسینؓ کی عمر چھ برس سے کچھ متجاوز تھی مگر اس صغر سنی کے باوجود حضورؐ کے ارشادات ذہن میں محفوظ تھے۔ چنانچہ محدثین نے ان کو اس جماعت میں شمار کیا ہے جس سے آٹھ حدیثیں مروی ہیں منجملہ ان احادیث کے جو ان سے مروی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ میری امت کے کسی فرد پر کوئی مصیبت پڑی ہو اور عرصۂ دراز کے بعد اسے یہ یاد آئے اور وہ اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب ملیگا جتنا مصیبت کے وقت ملا تھا۔

اسی طرح یہ فرمانِ نبوی بھی انہی سے مروی ہے کہ جو شخص دریا میں سفر کرتے وقت بسم اللہ مجریٰھا و مرسٰھا ان ربی لغفور الرحیم پڑھ لے گا وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گا؎

؎ حکایات صحابہؓ ؎ ایضاً۔

عبادت و ریاضت میں بھی حضرت حسینؓ کا ایک عظیم مقام ہے ۲۵ حج پیدل کئے اور جذبہ وہی تھا جو بڑے بھائی حضرت حسنؓ کا تھا۔

۶۱ھ میں شیعوں نے فریب دیکر کوفہ بلایا اور طرح طرح کی بدسلوکیوں کے بعد ۱۰ محرم الحرام (یوم العاشور) یوم جمعہ کو شہید کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے گھر کے لوگوں میں بھائی اور صاحبزادے وغیرہ کو ملاکر ۲۳ اشخاص نے میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش کیا۔ ؎

"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عمار نام ابو الیقظان کنیت والد محترم کا نام یاسرؓ اور والدہ محترمہ کا نام سمیہؓ تھا حضرت یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے ایک بھائی کھو گیا تھا۔ جسے تلاش کرتے ہوئے مکہ پہونچے مکہ کچھ ایسا راس آیا کہ وہیں بس گئے۔ ابو حذیفہ کی باندی سمیہ سے شادی کرلی انھیں کے بطن سے عمارؓ پیدا ہوئے ابو حذیفہؓ نے عمارؓ کو بچپن میں ہی آزاد کر دیا اور اپنی ساری زندگی اپنے پاس رکھا۔

ابو حذیفہؓ کے انتقال کے بعد اسلام کا دور دورہ ہوا عمارؓ بھی ایک دن اسلام کے سلسلہ میں تفتیش کرنے نکلے آستانۂ نبوی کے باہر صہیبؓ سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا کس ارادے سے آئے ہو۔ صہیبؓ نے

کہا پہلے تم بتاؤ۔ عمارؓ نے کہا محمدؐ سے ملکر کچھ بات چیت کروں گا صہیبؓ نے کہا میں بھی اسی ارادہ سے آیا ہوں اس طرح دونوں نے ایک ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دارِ ارقمؓ میں پناہ گزیں تھے سوائے چند صحابہؓ کے کسی نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ مگر عمارؓ نے باوجود انتہائی خستہ حالی اور بے سروسامانی کے اپنے اسلام کو دوسرے ہی دن ظاہر کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جانے لگے۔ ان کی والدہ اور والد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ والدہ اس وقت تک خاندانِ حذیفہ کی غلامی میں تھیں اس لئے ان پر ظلم وستم روا رکھنے کا زائد موقع ملا اس طرح اس خاندان پر نئے نئے مظالم ڈھائے گئے۔ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل لعین نے نہایت شدید وحشیانہ طریقہ پر شہید کیا۔ ایک مرتبہ حضرت یاسرؓ نے اپنے خاندان پر اس طرح ہونے والے ظلم کا حضور علیہ السلام سے تذکرہ کیا حضورؐ نے صبر کی تلقین کی اس کے بعد دعا فرمائی ’اے اللہ تو آلِ یاسرؓ کو بخش دے اسی طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ ان لوگوں کے لئے دعا فرمائی۔

ایک دفعہ کفار حضرت عمارؓ کو آگ پر لٹائے ہوئے دین اسلام سے زانیکی تلقین کر رہے تھے حضورؐ کا ادھر سے گذر ہوا آپ نے بہت ہی شفقت کے ساتھ ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آگ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے

آگ تو ابراہیم کی طرح عمارؓ پر بھی ٹھنڈی ہو جا۔

حضرت عمار کی والدہ کیطرح ان کے والد حضرت یاسرؓ بھی دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرتے کرتے راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔ اب ایک عمار تھے جو کفار کے نشانۂ ستم بنے ہوئے تھے۔ کبھی ان کو مکہ کی سنگزار زمین پر لٹایا جاتا اور اوپر سے پتھر رکھا جاتا۔ آفتاب کی تمازت جب بےچین کرتی تو کہا جاتا کہ کہو لات وعزیٰ ہمارے معبود ہیں۔ محمدؐ کا دین حق نہیں ہے وہ خدا کے رسول نہیں ہیں اور جب وہ نشۂ توحید میں سرشار ہو کر ایسا کرنے سے انکار کرتے تو ظالم عذاب میں اور اضافہ کر دیتے۔ کبھی پانی میں اتنے غوطے دئے جاتے کہ دم گھٹنے لگتا اور بدحواسی طاری ہو جاتی۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر مشرکین عرب چاہتے کہ کوئی ناروا جملہ عمارؓ کی زبان سے نکل جائے مگر یہ جبل استقامت اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا اور اس اندوہناک اذیت کے باوجود یہی کہتا کہ توحید کا نشہ ایسا نہیں ہوتا کہ چڑھ کر اترے اور پھر ایک دن بظاہر مشرکین اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور خوشی میں آکر عذاب سے نجات دی لیکن انھیں حقیقت نہیں معلوم تھی ہوا یہ کہ مشرکین اس متوالۂ توحید کو پانی میں غوطے دے رہے تھے اور یہ خطرہ لگا رکھی تھی کہ آج اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک تم محمدؐ کو برا نہ کہو گے۔ بدحواسی کے عالم میں حضرت عمارؓ کی زبان سے کوئی ناشائشتہ جملہ نکل گیا لیکن فوراً احساس ہوا احساس ہوتے ہی فوراً بےچین ہو گئے اور بلکتے ہوئے دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آج

میں نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا کہ آپ کی شان میں بُرے اور ان کے معبودوں کے حق میں اچھے جملے زبان سے نکال دیئے۔ حضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا اسلام سے مطمئن۔ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی پیار کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو پوچھے اور فرمایا کوئی حرج نہیں اگر پھر وہ تم سے ایسا کریں تو تم بھی کرنا۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی مدینے کی راہ لی اور ان ظالموں کے ہاتھوں اس طرح اذیت سے نجات پائی۔

مدینہ پہونچ کر اسلام کو آزادی کے ساتھ پھیلایا جانے لگا۔ مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ آقا و مولیٰ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جوش دلانے کیلئے خود کام میں حصہ لیا۔ اپنے آقا کو شریک دیکھ کر عمارؓ میں جیسے دوگنی طاقت پیدا ہوگئی۔ اگر تمام صحابہؓ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تو عمارؓ دو اٹھاتے اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے

نحن المسلمون نبتنی المساجد (ہم مسلمان ہیں ہم مسجد بنا رہے ہیں)۔

غزوات میں بھی حضرت عمارؓ نے شرکت کی حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ یمامہ میں ان کا ایک کان شہید ہوگیا جو سامنے زمین پر پھڑک

عہ مہاجرین بحوالہ طبقات ابن سعد

رہا تھا مگر وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے پرے کے پرے صاف کر دیتے۔ ایک دفعہ مسلمانوں میں بھگدڑ مچی حضرت عمارؓ نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر للکارا۔ اے مسلمانو! کیا تم جنت سے بھاگ رہے ہو۔ میں عمار بن یاسرؓ ہوں۔ آؤ میرے پاس آؤ۔ اس آواز نے جادو کا کام کیا اور جنت کا نام سن کر جنت کے شیدائی پلٹ کر یکایک پھر دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے اور بہت بہادری اور بے جگری کے ساتھ مقابل فوج سے برسرِ پیکار ہوئے جنگ جمل کے بعد جنگ صفین ہو رہی تھی۔ غروب آفتاب کا وقت تھا۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا۔ آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا محمدؐ اور ان کے اصحابؓ سے ملوں گا۔ اس کے بعد پیاس لگی۔ آپ کے سامنے دودھ لایا گیا تو آپ نے کہا آج میں ضرور ان لوگوں سے ملوں گا کیونکہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ دنیا میں تیری سب سے آخری غذا دودھ ہوگی۔ یہ کہہ کر ایک عجیب عزم کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ اور مقابلہ شروع ہوا اتنے میں ابن الغادیہ کا نیزہ لگا جس سے مجروح ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ایک دوسرے شخص نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا عہ اس طرح اسلام کا ایک بہادر سپاہی اور آنحضرت صلعم کا جاں نثار صحابی اس افسوسناک جنگ کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور خون آلود کپڑوں کے ساتھ پہلے

عہ مہاجرین بحوالہ طبقات ابن سعد

صحابیؓ رسول کو کوفہ کی خاک کے حوالہ کر دیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہٗ

اسم مبارک صہیبؓ، کنیت ابو یحییٰ، والد کا سنان اور والدہ کا نام سلمٰی تھا۔

صہیبؓ عربی النسل ہیں مگر رومی انھیں بچپن ہی میں پکڑ کر لے گئے۔ بہت تلاش کے باوجود ان کا پتہ نہ چلا۔ یہ رومیوں ہی میں رہنے لگے۔ بعد میں رومیوں نے ان کو مکہ لیجا کر بحیثیت غلام کے فروخت کیا۔ عبد اللہ نامی ایک شخص نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس طرح یہ روم ہی میں رہے بسے۔ بچپن وہیں گذرا جوانی میں مکہ آئے اس لئے رومی مشہور ہو گئے مگر یہ خود اپنے کو عرب کہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا صہیب مجھے تمہاری تین باتیں بہت ناپسند ہیں ایک یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابو یحییٰ اختیار کی جو ایک نبی کے نام پر ہے حالانکہ تمہاری کوئی اولاد یحییٰ نامی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ تم اپنے کو عرب کہتے ہو حالانکہ تم رومی ہو۔ تیسرے یہ کہ تم اسراف کرتے ہو اور فضول خرچی اچھی چیز نہیں ہے۔ حضرت صہیبؓ نے جواب دیا۔ کنیت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ میری نہیں بلکہ رسولِ خدا صلعم کی تجویز کردہ ہے اور عرب کہنے کا معاملہ یہ ہے کہ میں

[حقیق]تاً عربی ہوں مگر مجھے بچپن ہی میں رومیوں نے غلام بنا لیا تھا اس [لئے] میں اپنے خاندان و قوم کو بھول گیا ہوں۔ رہ گیا اسراف کا معاملہ [تو] اس میں میرے اس عمل کا دارومدار حضورؐ کے اس فرمان پر ہے [خ]یارکم من اطعم الطعام ورد السلام (تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے)

اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام شروع ہوا تو حضرت صہیبؓ [بھ]ی تفتیش و جستجو کے خیال سے نکلے اور آستانۂ نبوی کے باہر حضرت [عم]ارؓ سے ملاقات ہوئی بعد میں دونوں نے ایک ساتھ دربار نبوی میں [حاض]ر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضورؐ نے فرمایا صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے [ح]ضرت صہیبؓ نے بھی حضرت عمارؓ کی طرح باوجود غریب الوطن ہونے [کے] قبول اسلام کا فوراً اعلان کر دیا۔ اول ہی دن سے آزمائش شروع [ہو] گئی کفار مکہ نے طرح طرح سے تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیں مگر [ص]ہیبؓ نے پا مردی سے ان کا مقابلہ کیا اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے [نہ] چھوٹنے دیا۔

تمام صحابہؓ ہجرت کر چکے تھے سب سے آخر میں حضرت صہیبؓ ہجرت کے [قص]د سے نکلے تو مشرکین مکہ نے راستے میں گھیرا اور کہا کہ تم جب یہاں [آئ]ے تھے تو مفلس و محتاج تھے اور آج تمہارے پاس ایک کثیر مقدار میں [د]ولت ہے ہم تمکو اس طرح نہیں جانے دیں گے۔ حضرت صہیبؓ نے [اپ]نا ترکش دکھا کر کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے اچھا تیر انداز ہوں

[...] مہاجرینؓ بحوالہ اسد الغابۃ۔

اگر تم میری راہ سے نہ ہٹو گے تو اس وقت تک مقابلہ کروں گا جب تک اس
ایک تیر بھی رہے گا۔ رہ گیا دولت کا معاملہ تو تم اگر وہی چاہتے ہو
ہم سب تمہیں دے دیں گے مگر مجھے جانے دو۔ کفار اس بات پر راضی
ہو گئے اور حضرت صہیبؓ اپنے سارے مال و اسباب کے عوض ایمان
سودا کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں مدینے پہونچے اور سارا واقعہ سنایا
حضور ﷺ نے فرمایا ابو یحییٰ تمہاری تجارت منفعت بخش رہی اسکے بعد
ہی قرآن مجید نے اس عظیم الشان قربانی کی یوں قدر کی وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ
(لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی مرضیات کیلئے اپنی جانیں بیچ
دیتے ہیں)۔

حضرت صہیبؓ نے غزوات میں بھی شرکت کی۔ تیر اندازی میں کمال
رکھتے تھے۔ بدر، احد، خندق تمام غزوات میں اس کے خوب خوب
جوہر دکھلائے۔ بڑھاپے میں اپنے جنگی کارناموں کی داستانیں خوب
مزے لے لے کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ ان سے بہت خوش تھے اور ان کی جانب سے نہایت درجہ
حسن ظن رکھتے تھے انھوں نے یہ وصیت کی کہ میری نماز جنازہ صہیبؓ
پڑھائیں اور جب تک ارباب حل و عقد خلافت کے لئے کسی کو منتخب
نہ کریں اس وقت تک صہیبؓ ہی امامت کے فرائض انجام دیں چنانچہ
انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا فیصلہ نہ ہو جانے تک تین دن

امامت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دئے اس طرح
انہیں تین روزہ خلافت بھی ملی۔
۳۸ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کیطرف
رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ

خباب نام، ابو عبداللہ کنیت اور والد کا نام ارت تھا۔ اسلام
لانے سے قبل ہی غلام بنا کر مکہ میں فروخت کر دئے گئے۔ ابتدائے اسلام
میں جس وقت کہ صرف پانچ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا آپ نے
دامنِ اسلام میں پناہ لی چونکہ مکہ میں اسلام قبول کرنا ایک ایسا جرم تھا
جسکی سوائے اس کے کوئی تلافی نہیں تھی کہ اسلام سے دستبردار ہو جایا جائے
مگر اسلام کے مشرب میں کچھ ایسی لذت تھی کہ اس کا نشہ اترتا نہیں تھا۔
جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا آدمی بھی مشرکین کے ستم سے نہیں بچ سکتا
تھا۔ پھر خبابؓ تو ایک غلام تھے اور غلام بھی اس کے جو اسلام کا دشمن
تھا۔ ان کا سوائے مالک ارض و سما کے کون پرسانِ حال تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
ان کو ایسی ایسی دردناک سزائیں دی گئیں جن پر انسانیت زار زار
روتی تھی مگر وہ درندہ صفت انسان عقل و خرد سے بیگانے ہو کر کبھی
تو خبابؓ کو آگ کی بھٹی پر سلاتے۔ خبابؓ اس وقت تک اس بھٹی پر
سلگتے رہتے جب تک کہ خود انھیں کی چربی پگھل کر اس آگ کو ٹھنڈا نہ

کر دیتی اور پھر ان سے پوچھتے کہو خبابؓ تمہارا خدا کون ہے۔ خبابؓ کہتے اللہ احد اللہ احد اسی ابتلاء و مصیبت کے وقت میں رحمت عالم صلعم ادھر سے گذرتے اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے صبر کی تلقین کرتے۔ انکی محبت پاش جملوں کو سنکر جیسے خبابؓ کی ساری تکلیفیں کافور ہو جاتیں اور سارا اضمحلال دور ہو جاتا نئے عزم کے ساتھ پھر کفر کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتے۔

مگر ظالمین مکہ اس چیز کو کہاں گوارہ کر سکتے تھے کہ خبابؓ کی تالیف قلب ہو۔ وہ اس سہارے کو بھی برداشت نہ کر سکے اور اس کی سزا میں لوہا تپا کر ان کا سر اس سے داغنا شروع کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلعم سے دعا کیلئے کہا کہ اے نبی الرحمۃ میرے لئے بارگاہ خداوندی میں اس عذاب سے خلاصی کی دعا فرمائیے۔

سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار خادم کے لئے دعا فرمائی۔ ربّ العزت خبابؓ کی مدد فرما۔ یہی نہیں کہ وہ ظالم اسی ایذا رسانی پر بس کرتے بلکہ ایک بیکس و مجبور غلام کو مالی تکلیفیں بھی پہنچانے میں کوئی عار نہ سمجھتے۔ عاص بن وائل کے ذمہ ان کا کچھ قرض تھا جب اس سے طلب کرتے تو وہ کہتا کہ جب تک محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑو گے میں نہیں دوں گا۔ یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مر کر دوبارہ زندہ نہ ہو گے میں محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ وہ کہتا اچھا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا۔ اور مجھے مال و اولاد

ملے گی تب میں تمہارا قرض ادا کردوں گا۱

ان دردناک اور دلخراش تکالیف کے باوجود خبابؓ کے ہاتھ سے محمدؐ کی غلامی کا دامن نہ چھوٹا اور وہ جبل استقامت بنے ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ ہجرت کا حکم ملا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہجرت کی مدینہ پہونچ کر حضرت خبابؓ کو

---

۱ اس جملہ سے مسلمانوں کے اس عقیدہ کا مذاق اڑانا مقصود تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ نہ مجھے دوبارہ زندگی ملے گی اور نہ ہی تمہارا قرض ادا ہوگا۔ اس واقعہ پر قرآن پاک نے یوں تبصرہ کیا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا (ترجمہ): کیا دیکھتے ہیں آپ اس شخص کو جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھکو مال و اولاد ملے گی کیا اس کو غیب کی خبر ہو گئی ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہونگے۔ اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔

یکسوئی ہوئی اور خدمتِ دین میں لگ گئے۔ غزوات میں شرکت کی
اور بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔

حضرت خبابؓ کو علم کا بہت شوق تھا چنانچہ بعض مرتبہ آپ رات
رات بھر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلعم کی عبادت و ریاضت کا حال دیکھا کرتے
اور حضور صلعم کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری
رات نماز پڑھی اور یہ کھڑے دیکھتے رہے۔ صبح کو آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں رات
تو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی تھی۔
ارشاد ہوا وہ امید و بیم کی نماز تھی۔ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کی
دعا کی تھی۔ دو مقبول ہوئیں اور ایک نہیں۔ ایک یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس
عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے پچھلی قوموں کو کیا ہے۔ یہ قبول ہو گئی۔
دوسری یہ تھی کہ میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے۔ یہ بھی قبول ہو گئی۔
مگر تیسری قبول نہیں ہوئی۔

ان تمام باتوں کیساتھ یادِ خدا سے کسی وقت غافل نہ رہتے۔ ذرا ذرا سی
بات انکی عبرت کیلئے کافی ہو جاتی۔ چنانچہ مرض الموت میں کچھ لوگ عیادت کو آئے
اور کہا ابو عبداللہ! تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ تم کل تک اپنے ساتھیوں سے مل
جاؤ گے۔ یہ سنکر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا میں موت سے نہیں ڈرتا مگر تم لوگوں نے ایسے
لوگوں کو یاد دلا دیا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے۔ مجھ کو ڈر ہے

عہ مہاجرین بحوالہ مسند احمد ۱۲

کہیں مجھے ثواب آخرت کے عوض یہ دنیا نہ ملی ہو۔ جب حالت زیادہ
نازک ہوئی تو کفن لایا گیا اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے
اور کہا افسوس کہ حمزہؓ کو پورا کفن بھی نہ ملا ایک چھوٹی سی چادر میں
دفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا اور اگر سر
ڈھانکا جاتا تو پیر کھل جاتے۔ آخر میں گھاس سے پیر چھپائے گئے۔
آخر کار اسی بیماری میں ۷۲ سال کی عمر میں حضرت خبابؓ نے
داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وصیت کے مطابق ان کی قبر شہر کے باہر
بنائی گئی۔ یہ پہلے صحابیؓ تھے جن کی قبر کوفہ کے باہر بنی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

نام معاویہؓ والد کا نام ابو سفیان، والدہ کا نام ہندہ تھا ان کے
والد ابو سفیان فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ ایمان لانے سے قبل کفر کے
بہت بڑے سردار تھے اور مسلمانوں کو ہر طرح ایذا پہنچانیکی کوشش
کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب انھوں نے اسلام قبول کیا اور حضورؐ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے اپنی شان رحمت کا مظاہرہ
فرماتے ہوئے انھیں معاف کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ حضورؐ نے اپنے
دشمنوں کے متعلق یہاں تک کہہ دیا من دخل دار ابی سفیان
کان آمنا (جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اسے امن مل گیا)

یعنی فتح مکہ کے دن کفار بہت پریشان تھے کہ آج ہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدلہ لیں گے۔ ان کے اطمینان کے لئے حضورؐ نے فرمایا نہیں میں بدلہ نہیں لوں گا۔ وہ شخص جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے نجات مل جائے گی۔

حضرت معاویہؓ صحابۂ کرام کی فصیح و بلیغ جماعت میں شمار کئے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کاتب وحی بھی تھے۔ کئی مرتبہ وحی آنے پر حضورؐ نے آپ کو آپکے گھر سے بھی بلوایا ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ حضورؐ کے خطوط لکھا کرتے تھے۔ خلیفۂ ثانی فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں شام کے گورنر بنائے گئے۔ چار سال فاروقِ اعظم کی زندگی میں گورنر رہے۔ اس کے بعد خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضؓ اور خلیفۂ رابع حضرت علی رضؓ اور حضرت حسن رضؓ نے بھی بالترتیب اپنے اپنے دورِ خلافت میں ان کو ان کے عہدے پر انکی صلاحیتوں کی بنا پر قائم رکھا۔ اس طرح یہ بیس سال شام کے گورنر رہے اسکے بعد حضرت حسن رضؓ نے ان کو خلافت کے فرائض سونپ دئے۔ منصبِ خلافت پر فائز ہونیکے بعد بھی حضرت معاویہؓ نے حسبِ دستور اس کے فرائض بحسن وجوہ ادا کیا۔ یہ سلسلہ بیس سال جاری رہا۔ اس طرح کل بہم سال آپ نے امارت کے فرائض انجام دئے۔ بیس سال گورنر کی حیثیت سے اور بیس سال امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے۔

حضرت معاویہؓ کا مزاج ہمیشہ سے سیاسی رہا۔ بہت بڑے

مدبّر اور ذہین شخص تھے۔ جنگوں میں بھی شرکت کرتے تھے اور اپنی حسین تدبیر سے دشمنوں کا نئے نئے انداز سے مقابلہ کرتے تھے چنانچہ حضرت عثمانِ غنی رضؓ کے زمانۂ خلافت میں سب سے پہلی بحری جنگ حضرت معاویہؓ نے لڑی۔

حضور اکرم صلعم سے بڑا تعلق تھا۔ آپ کے پاس حضورؐ کے تبرّکات میں تہبند، چادر، قمیص، ناخن، بال آخر عمر تک رہے۔ چنانچہ آپ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے کفن سرکارِ رسالتمآب صلعم کی قمیص مبارک میں دینا اور ازار کی جگہ پر وہی ازار مبارک (تہبند) استعمال کرنا اور مجھے حضورؐ کی مبارک چادر میں لپیٹنا اور مواضع سجود پر آپ کے ناخن مبارک اور موئے مبارک چھڑکنا اس کے بعد میرے درمیان اور ارحم الراحمین کے درمیان راستہ چھوڑ دیناعہ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں بہت دعائیں فرمائی ہیں اور حضورؐ ہی کی دعا اللھم اجعلہ ھادیا ومھدیا (اے اللہ انکو (معاویہ کو) ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے) کی برکت تھی کہ چالیس سال قوم کی رہنمائی کرنے کے بعد رجب ۶۰ھ میں دمشق میں انتقال فرمایا۔

عہ مشکوٰۃ فی بیان اسماء الرجال۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

عبداللہ نام، ابوالعباس رض کنیت، والد کا نام عباس رض اور والدہ کا نام لبابہ رض تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت عباس رض کے لڑکے ہیں اور ام المومنین حضرت میمونہ رض کے سگے بھانجے ہیں یعنی حضرت عبداللہ کی والدہ ام الفضل لبابہ رض ام المومنین کی سگی بہن تھیں حضرت عبداللہ ہجرت نبوی ص سے ۳ سال قبل پیدا ہوئے۔

پیدائش کے بعد انھیں لے کر ان کے والد حضرت عباس رض حضور ص کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ص نے اپنا لعاب دہن ان کے منھ میں لگایا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

حضرت عباس رض اگرچہ بہت دیر میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر حضرت عبداللہ کی والدہ حضرت لبابہ رض بہت پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ حضرت خدیجہ رض کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے انہی نے اسلام قبول کیا اس لئے حضرت عبداللہ رض نے بچپن ہی سے آغوش توحید میں تربیت پائی۔

حضرت عبداللہ کو بچپن ہی سے علم سے بڑا لگاؤ تھا۔ چنانچہ ۱۱ سال کی عمر میں ایک مرتبہ حضور ص کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد اپنے والد سے جا کر کہا آج میں نے حضور ص کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جسے میں

جانتا نہیں ہوں۔ کاش کہ اُسے میں جان سکتا۔ حضرت عباس رض نے آنحضرت صلعم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے ان کو بلا کر بہت ہی محبت کیساتھ اپنی آغوش عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔

آنحضور ص آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ بچپن میں یہ اپنے ہم سنوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھے کہ ادھر سے حضور کا گذر ہوا حضور ص کو آتا دیکھ کر یہ ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گئے لیکن آپ نے انھیں جا کر پکڑ لیا اور نہایت شفقت کے ساتھ سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا جاؤ معاویہ کو بلالاؤ۔ ام المومنین حضرت میمونہ رض کی وجہ سے اور بھی انھیں حضور کی صحبت میں زیادہ رہنے کا موقع ملا اور اسی سلسلہ میں حضور ص کی خدمت کا بارہا موقع ملا۔ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے اٹھے۔ حضرت عبداللہ نے وضو کیلئے پانی لا کر رکھ دیا۔ حضور ص نے وضو فرمانے کے بعد دریافت فرمایا پانی کون لایا تھا۔ حضرت میمونہ رض نے فرمایا عبداللہ آنحضرت بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا فرمائی اللھم نقھہ فی الدین وعلمہ التاویل اے اللہ اس کو مذہب کا فقیہ بنا دے اور تاویل کا طریقہ سکھلا دے۔

حضور ص کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ عبداللہ بن عباس رض کو اللہ تعالیٰ نے خزانۂ علم سے وہ کچھ عطا فرمایا تھا جو ان کے دور میں بڑوں بڑوں کو نہ مل سکا اس کا اعتراف ان کے ہمعصروں نے بھی کیا جب کہ وہ لوگ

خود بھی پائے کے عالم تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کو علوم قرآن میں تو خصوصاً
عجیب ملکہ حاصل تھا۔ ان کی تفاسیر سن کر بڑے بڑے صحابیؓ ششدر
رہ جاتے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو علم میں ان کے ہمسر تھے فرماتے
تھے کہ عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں۔ اسی طرح
شقیق تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ نے حج
کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر بیان کی میں کیا بتاؤں وہ تفسیر کیا
تھی اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی اور نہ آنکھوں نے دیکھی تھی
اگر اس تفسیر کو اہل فارس و روم سن لیتے تو اسلام سے ان کو کوئی چیز
نہیں روک سکتی تھی عہ

سرکار دو عالم صلعم کی وفات کے وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر ۱۳ سال
کی تھی اور خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت ۱۵ سال کچھ مہینے
ان کے بعد خلیفۂ ثانی فاروق اعظمؓ کا دور آیا اگرچہ اس وقت بھی ان کی
عمر بہت کم تھی اور بچوں ہی میں شمار ہوتا تھا مگر میدان علم میں انکا ایک
مقام پیدا ہو گیا تھا اور اپنے بڑوں سے سبقت لے جا چکے تھے اسلئے
فاروق اعظمؓ ان کے علم کی بہت قدر فرماتے تھے اور ان کی بہت عزت
فرماتے تھے اور ان کو بدریین کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ بعض صحابہؓ کو اس
پر اعتراض ہوا کہ ان میں کیا خاص بات ہے ہمارے بچوں کی اس طرح توقیر

عہ مہاجرینؓ۔ بحوالہ بخاری۔

کیوں نہیں ہوتی جب کہ وہ بھی ان کے ہم عمر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا
تم لوگ۔۔۔ ان کا مرتبہ نہیں جانتے ہو اس کے بعد ان کے علم کا مشاہدہ
کرانے کے لئے ایک دن مجمع عام میں ان کو بلوایا۔ اس کے بعد سب
سے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ کے بارے میں پوچھا تو
ان میں سے کوئی خاموش رہا کسی نے کہا اس میں خوشخبری ہے کسی نے
کہا حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ
سے دریافت کیا۔ ان کی دور رس نگاہ نے شانِ نزول کو سمجھ لیا تھا فرمایا
اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے
فرمایا جو تم کہتے ہو وہی میرا خیال ہے عہ

ظاہر ہے کہ اس تہ تک ہر شخص کی فہم کو کہاں رسائی؟ حضرت ابن
عباسؓ اپنے وسعت علم سے یہ جانتے تھے کہ ہر انسان کو دنیا میں بھیجنے
کا ایک مقصد ہوتا ہے آنحضورؐ کی بعثت کا مقصد تبلیغ دین اسلام تھا اور
جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مقصد پورا ہو گیا اور لوگ جوق در جوق
اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو پھر حضورؐ کے دنیا میں رہنے کی اب
کوئی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اب حضورؐ کی وفات ہو جائے گی چنانچہ اسی
لئے جب سورۃ نازل ہوئی تو محرم اسرار نبوت یارِ غار سیدنا صدیق اکبرؓ
حضورؐ کی وفات کو سوچ کر زار و قطار رونے لگے۔

عہ مہاجرینؓ۔ بحوالہ بخاری۔

حضرت ابن عباس رضؓ تفسیر میں بہت دلیری سے کام لیتے تھے۔ اس پر بعض صحابہ رضؓ کو اشکال تھا جن میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ بھی تھے مگر بعد میں انھیں انکا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا **کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا** انھوں نے امتحاناً اس شخص کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے فرمایا۔ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے اور زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اُگائے۔

ابن عمر رضؓ نے جب یہ جواب سُنا تو فرمایا ابن عباس رضؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے۔ مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے اس کے بعد سے ابن عمر رضؓ قرآن کے سلسلے میں سوال کرنیوالوں کو خود جواب نہ دیتے تھے بلکہ ابن عباس رضؓ کے پاس بھیجدیتے اور فرماتے قرآن کے جاننے والے جو لوگ رہ گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں۔

اسی طرح حدیث میں بھی حضرت ابن عباس رضؓ کا زبردست مقام ہے رسول خدا صلعم کی وفات کے بعد اگر یہ سن لیتے کہ فلاں شخص کے پاس حضورؐ کا فرمان محفوظ ہے تو خود سفر کرکے اس کو دریافت کرنے کے لئے جاتے اور جب وہ کہتا کہ آپ نے کیوں زحمت کی تو فرماتے یہ میرا فرض تھا۔

غرض یہ کہ حضرت عبد اللہ رضؓ کو حضورؐ کی دعاؤں کے طفیل اس قدر علم حاصل ہو گیا تھا اور ان کو اتنا عبور تھا کہ باوجود معاصرین میں علمی چشمک

ہونے کے ہر شخص نے ان کے علم کا پورا اعتراف کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ نے سرزمین طائف پر ۶۸ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی، محمد بن حنفیہ رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ آج دنیا سے اُمت کا بہت بڑا عالم اٹھ گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ان کے نام کے سلسلہ میں بہت اختلاف ہے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے[1] کنیت ابو ہریرہ ہے۔ والد کا نام عامر، کنیت کے سلسلہ میں بھی کئی قول ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں خود حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک بلی کا بچہ پایا، اور اس کو اپنی آستین میں رکھ لیا، مجھ سے لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ھرۃ (بلی کا بچہ) تو مجھ سے لوگوں نے کہا۔ أنت أبا هريرة (تم ابو ہریرہ ہو) [2]

حضرت ابو ہریرہ رضؓ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اس لئے فقر و افلاس زندگی کے ساتھی بن گئے۔ بسرہ بنت غزوان کے پاس اس کام کے ملازم تھے کہ جب وہ سوار ہو کر چلے تو یہ اس کی

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف [2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱۲

سواری کی نکیل پکڑ کر چلیں۔ اتفاق سے بعد میں اسی عورت سے آپ کا نکاح ہو گیا تو آپ نے اس سے وہی خدمت لی جو خود کرتے تھے۔ ؎

حضرت ابوہریرہ رضہ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا قبول اسلام کے بعد اسلام سے اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی کہ چاہتے تھے کہ میرا ہر متعلق اسلام قبول کرے، چنانچہ اپنی والدہ کو بہت تبلیغ کیا کرتے تھے مگر وہ نہ مانتیں، آخر ایک دن انھوں نے اسی بات پر حضور اقدس ؐ کی شان میں گستاخانہ جملے استعمال کئے، ابوہریرہ رضہ کو اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ میری ماں کیلئے دعا فرمائیے، رسول خدا صلعم نے دعا فرمائی، ابوہریرہ رضہ واپس گھر گئے تو دیکھا۔ ماں نہا دھو کر تیار بیٹھیں ہیں۔ اور ان کو دیکھتے ہی کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ ابوہریرہ رضہ مسرت وجوش کے ملے جلے جذبات لئے حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ مبارک ہو۔ آپ ؐ کی دعا قبول ہوئی اور میری ماں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضہ کو ارشادات نبوی سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ ہر وقت حضور ؐ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور سوالات کیا کرتے، باوجودیکہ ابوہریرہ رضہ کو حضور ؐ کی صحبت میں صرف چار سال رہنے کا موقع

؎ مہاجرین بحوالہ طبقات ابن اسعد ۱۲

ملا۔ لیکن ارشادات نبوی جس قدر ان کو محفوظ تھے کسی کو نہیں تھے حفاظ حدیث میں انس بن مالک رضہ اور عبداللہ بن عمر رضہ کا نمایاں مقام ہے مگر ان لوگوں نے بھی ابوہریرہ رضہ کو اپنے اوپر فوقیت دی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے خود فرمایا۔ کہ ابوہریرہ رضہ ہم سب سے زائد حدیث جانتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضہ کے خزانہ علم میں جو تھا اسے وہ لٹایا کرتے تھے، انکے اس قدر علم پر لوگوں کو بہت تعجب تھا۔ اور بعض لوگ تو شک کرتے تھے کہ یہ فرمان نبوی ہے بھی یا نہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضہ سے کہا۔ ابوہریرہ رضہ آنحضرت سے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ بخدا انکی روایات میں کسی قسم کا شبہ نہ کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت سے سوال کرنے میں بہت جری تھے اس لئے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے جنکو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔

ایکمرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے ابوہریرہ رضہ کو بلا کر کہا تم کیسی حدیثیں بیان کیا کرتے ہو۔ حالانکہ آنحضور ؐ سے جو کچھ میں نے سنا اور دیکھا وہی تم نے بھی دیکھا اور سنا ہے۔ عرض کیا ام المومنین آپ ؐ آنحضرت کی خاطر زیب و زینت میں مصروف رہتی تھیں۔ اور خدا کی قسم میری توجہ آنحضرت کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔

مردان کے دل میں ابوہریرہ رضہ کیجانب سے شکوک پیدا ہو گئے

دیتے تھے۔ اور ابو ہریرہ رضؓ دن و رات موجود رہتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ میدان علم کے ساتھ ہی ساتھ میدان عمل میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے،

خوف خدا اور ذکر قیامت سے بیہوش ہو کر گر جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورؐ کا ارشاد سننے کی خواہش کی، انھوں نے قیامت کے سلسلہ کی ایک حدیث بیان کرنا شروع کی تین مرتبہ بیہوش ہو کر گرے۔ ہر مرتبہ ایک جملہ زبان سے ادا کرتے اور بے ہوش ہو جاتے۔

عبادت کا یہ حال تھا گھر کے تین افراد نے ساری رات کو تقسیم کر لیا تھا جن میں ایک ابو ہریرہؓ۔ ایک انکی بیوی اور ایک غلام تھے باری باری رات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے یہ لوگ عبادت کرتے جب ایک آرام کرنے لگتا تو دوسرے کو جگا دیتا۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں۔[1]

آنحضورؐ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہونا چاہتے تھے چنانچہ خود فرماتے، یا رسول اللہؐ آپ کا دیدار میرے لئے سرمایۂ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد ایک شخص نے بکری کی دعوت کی، انھوں نے یہ کہہ

---

[1] مہاجرین ۱۲

کر رد فرمادیا کہ آنحضرت دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ کبھی جو کی روٹی کا بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔[1]

۵۷ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے، حالت بیماری میں آنے والی منزل کو یاد کر کے روتے رہتے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر جواب دیا میں دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا۔ بلکہ سفر کی طوالت اور زاد راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں۔ اس وقت میں جنت اور دوزخ کے درمیان ہوں معلوم نہیں مجھے کس راستہ پر جانا ہوگا، آخر کار اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ جلد اٹھانا۔ کہ اگر میں صالح ہونگا تو جلد اپنے رب سے ملونگا اور اگر بدقسمت ہونگا تو تمہارے سر سے ایک بوجھ ہٹے گا۔ ولید بن عتبہ والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے بوقت انتقال ۷۸ سال کی عمر تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

اسم مبارک عبداللہ۔ کنیت ابو عبدالرحمٰن، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا۔

مکہ کا دستور تھا کہ امیر غریب ہر گھرانے کے بچے بکریاں چراتے تھے وہاں کے دستور میں یہ کوئی عیب نہیں تھا، بلکہ یہ ایک بچپن کی

---

[1] مہاجرین بحوالہ بخاری ۱۲۔

درسگاہ تھی۔ جہاں محنت جفاکشی، سادگی کی تعلیم ملتی تھی، اسی لئے بغیر امتیاز کے ہر گھرانے کے بچے اس درسگاہ میں سبق حاصل کرتے تھے عبداللہ بن مسعودؓ بھی اسی درسگاہ میں سبق حاصل کر رہے تھے کہ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ ایک روز یہ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ اُدھر سے آقائے کائنات صلعم مع رفیق غار کے گذرے۔ حضرت صدیقؓ نے ان سے فرمایا۔ صاحبزادے اگر تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ یہ امانت ہے اسلئے اس میں سے میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا ان میں کوئی ایسی بھی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں، انھوں نے جواب اثبات میں دیتے ہوئے ایک بکری پیش کر دی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی۔ تھن دودھ سے بھر گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے علٰحدہ برتن لیجا کر دودھ دوہا۔ اس کے بعد تینوں نے سیر ہو کر پیا، بعد میں رسول خدا صلعم نے تھن سے خشک ہونے کو فرمایا۔ وہ خشک ہو گیا حضرت عبداللہ اس معجزہ سے بہت متاثر ہوئے، اور ایکدن دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جسمیں مشرکین مکہ ظلم و ستم کی بھرپور قوت کے ذریعہ اسلام کے چراغ کو گل کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر ان کی کوششیں اس وقت وہی فائدہ دے رہی تھیں جو بھڑکتے ہوئے شعلوں والی آگ پر چند قطرے پانی دیتے ہیں، حضرت عبداللہؓ بھی نشانۂ ستم بنے۔ اور اپنے ایمان کو صیقل

کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام کی تبلیغ آہستہ آہستہ ہو رہی تھی اور مسلمان
کفار کے خوف سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کلام پاک کی
تلاوت علانیہ طور پر رسول خدا صلعم کے سوا کوئی نہیں کرتا تھا۔ ایک
دن سب مسلمان جمع ہوئے، اور اس بات پر زور دیا گیا کہ قرآن مجید
کی تلاوت بلند آہنگی کے ساتھ کی جائے۔ اور اس فرض کو ادا کرنے
کے لیے عبداللہ بن مسعود رضؓ آگے بڑھے اور کہا میں کرونگا۔ ہر چند ساتھیوں
نے مصلحت کے پیش نظر انھیں روکنے کی کوشش کی مگر جوش ایمانی
نے رکنے نہ دیا۔ اور ایک دن مشرکین مکہ کی موجودگی میں بلند آواز سے
تلاوت شروع کر دی۔ بس پھر کیا تھا۔ ظالم ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا
کہ چہرہ ورم آلود ہو گیا مگر جوش ایمانی کا یہ عالم کہ ساتھیوں سے جا کر کہا
اگر کہو تو میں کل بھی اسی طرح کروں۔ [1]

حضرت ابن مسعود رضؓ نے تمام مشہور جنگوں میں شرکت کی اور بہادری
کے بے مثال جوہر دکھائے۔ جنگ بدر میں حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی ابو جہل
کی خبر لاتا۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ گئے، اس وقت دو کمسن فدائیوں
نے اپنے آقا کے دشمن کو ذلت و خواری کے ساتھ زمین پر تڑپنے کے
لئے مجبور کر دیا تھا۔ وہ پڑا تڑپ رہا تھا یہ گئے اور جا کر اس کی داڑھی
پکڑ کے کہا۔ تو ہی ابو جہل ہے۔

غزوۂ احد، خیبر، فتح مکہ تمام غزوات میں شریک رہے اور پامردی

---

[1] مہاجرین بحوالہ اسد الغابہ ۱۲۔

اور بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ سرور دو جہاں صلعم کے بعد
فاروق اعظم رضؓ کے زمانے میں بھی غزوات میں شرکت کی۔

۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس منصب پر رہ کر بھی
حضرت عبداللہ رضؓ نے پورے طور پر حقوق کی ادائیگی کی۔ انکی مدت قضا
دس برس رہی جس میں بڑے بڑے انقلاب آئے۔ کئی والی بدلے گئے
فاروق اعظم رضؓ کی شہادت ہوئی۔ عثمان غنی رضؓ ان کی جگہ خلیفہ ہوئے،
مگر حضرت عبداللہ رضؓ اپنی جگہ رہے۔ اس کی وجہ دیانت اور جفاکشی ہے
جس کی وجہ سے اہل کوفہ کو ان سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ رضؓ ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ صفت علم سے
بھی مالامال تھے اپنے دور کے صحابہ رضؓ میں امتیازی شان کے حامل تھے
اس کی وجہ شوق علم تھا۔

اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عبداللہ رضؓ نے حضورؐ
سے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ مجھے تعلیم دیجئے، رسول خدا صلعم نے بشارت
دی انک غلام معلم (تم تعلیم یافتہ بچے ہو) شوق علم کا یہ عالم تھا
کہ ہر وقت رسول خدا صلعم کی صحبت میں رہتے۔ اور آپ سے علم حاصل
کرتے رہتے، حتیٰ کہ جب حضورؐ گھر تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی والدہؓ
کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

حضرت عبداللہ رضؓ حضورؐ کے خاص خادموں میں تھے مسواک مبارک
اٹھا کر رکھنا۔ جوتہ پہنانا۔ کجاوہ کسنا۔ اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی

مخصوص خدمتیں تھیں۔ اسی لئے صحابۂ کرام انھیں مسواک پانے والے
بستر رسول جیسے معزز القاب سے یاد کرتے تھے۔ ؎۱

حضرت ابن مسعود رض حضورؐ کی خدمت میں اس طرح حاضر رہتے
کہ لوگوں کو شک ہوتا کہ یہ بھی خاندان نبوی کے ایک فرد ہیں، چنانچہ
حضرت ابو موسیٰ اشعری رض فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے مدینہ آئے اور
کچھ روز مدینہ میں قیام کیا۔ ہم نے عبداللہ بن مسعود رض کو رسول اللہ صلعم
کے پاس اس کثرت سے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندانِ رسالت
کا ایک رکن سمجھتے رہے۔

اس صحبت کے طفیل حضرت ابن مسعود رض کو ایسی ایسی قابل فخر
چیزیں نصیب ہوئیں کہ انکے ہم عصر صحابہ رض میں سے کسی کو نہ حاصل ہو
سکیں۔ اور بعض چیزوں میں تو وہ بالکل منفرد رہے۔ چنانچہ خود بیان
فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سورتیں خود سرکار دوعالم صلعم کی زبان مبارک
سے سن کر یاد کی ہیں یہ ایک ایسا شرف ہے جو ان کے علاوہ کسی کو نہ
حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی و مطالب پر انکو جس قدر
عبور حاصل تھا انکے دور کے کسی صحابی رض کو نہیں تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ
قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں
کہ یہ کب، کہاں اور کس بارے میں اتری ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی
شخص قرآن مجید کا مجھ سے بڑا عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر

؎۱ مہاجرین بحوالہ ابن سعد ۱۲

کے جاتا۔ ایک مرتبہ تحدیث نعمت کے طور پر انھوں نے صحابہ رض کے سامنے
یہ بات کہی کہ سب کو معلوم ہے کہ علوم قرآنی کا میں سب سے بڑا عالم ہوں
اگرچہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔

شقیق تابعی اس مجلس میں موجود تھے ان کا کہنا ہے کہ اس واقعہ
کے بعد میں اکثر صحابہ رض کی مجلس میں شریک ہوا مگر کسی کو ابن مسعود رض
کے دعویٰ کا منکر نہ پایا۔ انکے علم و فضل کا تمام صحابہ رض احترام کرتے
تھے اور اسی وجہ سے ان کو عزیز رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض جو خود ایک بلند مرتبہ عالم تھے فرمایا کرتے
تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود رض کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں،
جس دن رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو،
اور سب سے پہلے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رض) کا نام لیا۔

حضرت عبداللہ رض نے جب وفات پائی تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رض
اور حضرت ابو مسعود رض ایک دوسرے سے یہ گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے
کہا۔ کیا عبداللہ رض نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا۔ دوسرے نے کہا نہیں۔ وہ
خلوت جلوت ہر موقع پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے جبکہ ہم
لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا۔ ؎۱

حضرت عبداللہ رض کی قرآن دانی پر حضور اقدس صلعم کو بہت اعتماد تھا
ان کے پڑھنے میں بھی عجب کشش و تاثیر تھی۔ چنانچہ کبھی کبھی رسولخدا صلعم

؎۱ مہاجرین بحوالہ مسلم شریف ۱۲۔

ان سے فرمائش کر کے پڑھواتے اور محظوظ ہوتے۔ خود نقل کرتے ہیں کہ ایکمرتبہ حضورؐ نے فرمایا۔ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر نازل ہوئی اور آپ ہی کو میں سناؤں۔ ارشاد ہوا۔ کیوں نہیں لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ غرض میں نے تعمیل ارشاد کے لیئے پڑھنا شروع کر دیا۔ اور جب اس آیت پر پہونچا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اسی طرح ایکمرتبہ حضرت عبداللہؓ نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ نساء کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت خیرالانام صلعم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لے گئے۔ ان کی خوش الحانی اور حسن قرأت سے خوش ہو کر برجستہ فرمایا۔ اسئل تعطہ اسئل تعطہ (جو کچھ سوال کریگا پورا کیا جائیگا جو کچھ سوال کریگا پورا کیا جائے گا) پھر ارشاد فرمایا۔ جو چاہتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے جس طرح وہ نازل ہوا۔ اس کو قرأت میں ابن ام عبدؓ کی پیروی کرنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے پاس جو علم محفوظ ہے اس سے لوگوں کو زائد از زائد فائدہ پہنچے۔ چنانچہ مستقل درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک بڑی جماعت ہر وقت حاضر رہتی، اور یہ سرچشمۂ علم و کمال انھیں سیراب کیا کرتا۔ ایکمرتبہ حضرت خبابؓ نے انکے شاگردوں کو دیکھ کر کہا۔ ابوعبدالرحمٰن کیا آپ کی طرح آپ کے

یہ نوجوان شاگرد بھی قرأت کر سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کیوں نہیں۔ اگر آپ کا حکم ہو تو کسی سے سنواؤں۔ حضرت خبابؓ نے کہا ضرور سنونگا۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے ایک شاگرد علقمہ کو حکم دیا۔ انھوں نے تقریباً پچاس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت عبداللہؓ نے دریافت کیا کہ کیا رائے ہے حضرت خبابؓ بہت متاثر ہوئے اور بہت تعریف کی۔

اس قدر زبردست مجتہد اور خدا رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہؓ کے دل میں خشیت الٰہی اور خوف قیامت اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں مرنیکے بعد اٹھایا نہ جاتا۔

عبادت کا یہ عالم تھا کہ رات کے وقت جب ساری دنیا محو خواب ہوتی تو یہ اٹھ کر آہستہ آہستہ تلاوت قرآن مجید کیا کرتے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں گزار دیتے ابوعقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز صبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے خدا اور اسکے رسول نے سچ کہا۔ میں نے کہا وہ کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا۔ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔[1]

---

[1] مہاجرین بحوالہ مسند احمد ۱۲

۳۲ھ میں ایک روز ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ کرے۔ میں نے گذشتہ شب خواب میں دیکھا کہ رسول خدا صلعم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں۔ رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا۔ ابن مسعود رضؓ میرے بعد تمہیں بہت تکلیفیں پہونچائی گئیں۔ آؤ میرے پاس چلے آؤ۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے کہا۔ خدا کی قسم کیا تم نے یہ خواب دیکھا ہے اس نے جواب دیا۔ ہاں دیکھا ہے۔ فرمایا شاید تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔ یہ خواب حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ چند ہی دنوں کے بعد حضرت عبداللہ رضؓ بیمار ہو گئے۔ اور پھر اسی بیماری میں ساٹھ سال سے کچھ زائد عمر پا کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے حضرت عثمان رضؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام جندب۔ کنیت ابوذر۔ لقب مسیح الاسلام۔ والد کا نام جنادہ اور والدہ کا نام رملہ تھا۔

حضرت ابوذر قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے، ان کا قبیلہ ڈکیتی میں بہت مشہور تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں ابوذر کا بھی یہی پیشہ تھا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں عجیب انقلاب پیدا ہو

گیا۔ اور ڈکیتی کو ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے کی بات ہے جبکہ سارے عرب میں ضلالت وگمراہی کا دور دورہ تھا۔ مگر ابوذر رضؓ خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے ان کی خدا پرستی کا ہر طرف چرچا تھا۔ چنانچہ حضور اکرم صلعم کی بعثت کی جس نے سب سے پہلے انکو اطلاع دی۔ اس شخص کے الفاظ یہ تھے۔ ابوذر رضؓ تمہاری طرح مکہ میں ایک شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضرت ابوذر رضؓ اپنی سمجھ کے مطابق خدائے واحد کے سامنے سجدہ ریزی کے لئے نماز بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی ملاقات سے تین سال قبل سے میں نماز پڑھتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کس کی نماز۔ جواب دیا خدا کی۔ لوگوں نے کہا۔ کس طرف رخ کرتے تھے کہا جس طرف خدا پھیر دیتا تھا۔ [1]

غرض یہ کہ حضرت ابوذر رضؓ نے اعلان نبوت سے قبل ہی سے خدا پرستی شروع کر دی تھی۔ اعلان نبوت کے بعد اپنے بھائی کو مکہ دریافت حال کے لئے بھیجا کہ اس شخص کے حالات دریافت کر کے آؤ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ مکہ آئے گھوم پھر کر سارے حالات دیکھے اس کے بعد واپس جا کر ان سے کہا۔ خدا کی قسم وہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ اس قدر مختصر اور مجمل جواب سن کر

---

[1] مہاجرین بحوالہ مسلم ۱۲۔

انھیں سیری نہیں ہوئی۔ اور خود دریافت حال کے لیے نکل پڑے،
مکہ پہونچ کر خانہ کعبہ میں قیام کیا۔ ایک دن حضرت علیؓ سے ملاقات
ہوئی۔ ان کے ذریعہ دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر مشرف با سلام ہوئے
ان سے قبل صرف چار آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے
بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابوذرؓ اب تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ اور اپنے
اسلام کو ابھی پوشیدہ رکھنا۔ مگر غیرت ایمانی نے اس کی اجازت
نہ دی۔ اور مسجد میں آکر کفار کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ یہ
سن کر چاروں طرف سے کافر ٹوٹ پڑے اور ان کو مارتے مارتے
بے دم کردیا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو
سکا۔ اور آگے بڑھ کر کفار کو مخاطب کرکے کہا۔ کیا تم ایک غفاری
کی جان لینا چاہتے ہو جبکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کی گذرگاہ ہے،
کفار یہ سن کر الگ ہٹ گئے۔ کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد حضور
اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اب اپنے وطن واپس جاؤ،
اور وہاں جاکر تبلیغ اسلام کرو۔ شاید خدا تمہاری قوم کو اس سے
فائدہ بخشے۔ اور اس سے تمہیں بھی فائدہ ہو۔ حسب الحکم حضرت ابوذرؓ
اپنے وطن واپس گئے۔ اور وہاں تبلیغ شروع کی۔ آدھا قبیلہ ہجرت
سے قبل مشرف باسلام ہوگیا اور آدھا ہجرت کے بعد۔ ۱؎
حضرت ابوذرؓ کو نبوت کے سرچشمہ علم وعرفان سے بھی پورا فیض

۱؎ مہاجرین ملخصاً ۱۲۔

پہنچا تھا۔ اور یہ خود ان کی تلاش وجستجو کا نتیجہ تھا خود کہتے ہیں کہ میں
ہر چیز کے متعلق آنحضرت ﷺ سے پوچھتا تھا۔ حتیٰ کہ کنکری کے متعلق
بھی پوچھا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے
کہ لوگ اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اس تھیلی کو اس طرح
بند کردیا کہ اس میں کچھ بھی نہ کم ہوا۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ابوذرؓ
علم میں عبداللہ بن مسعودؓ کے ہمسر ہیں۔ جو اپنے وسعت علم کے لحاظ
سے مسلم امام تھے۔

حضرت ابوذرؓ کو اپنے حبیب ومحبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام
کو جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اور صرف جمع کرکے لوگوں کے سامنے پیش
نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر پورے طور پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ زہد
وتقویٰ ان کا مثالی تھا۔ آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی
زندگی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ
انھیں بیت المال سے جو چار ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ اپنے خادم کو بلاکر
موٹے جھوٹے کے حساب سے سال بھر کا خرچ نکال کر باقی تمام خیرات
کردیتے۔ اور کہتے جو شخص سونا چاندی تھیلیوں میں جمع کرتا ہے وہ
گویا انگارے رکھتا ہے۔

حب رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ سب کچھ کرچکنے کے بعد بھی یہ سمجھتے
کہ کچھ نہ کیا۔ ایکمرتبہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایک

آدمی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے مگر اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا۔ ابوذرؓ تم جس شخص سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو۔ عرض کیا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا یقیناً اسی کے ساتھ ہو جس کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ [1]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انکی دنیا ویران ہو گئی جب بھی حضورؐ کا نام آتا۔ اشکوں کا طوفان امنڈ پڑتا۔ احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں دیکھا کہ ایک شخص مسلسل سجدے کئے جا رہا ہے اس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ جب میں دوبارہ لوٹ کر اس کے قریب گیا تو پوچھا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے جفت نماز پڑھی یا طاق۔ اس نے کہا۔ اگر میں نہیں جانتا تو خدا ضرور جانتا ہے اس کے بعد کہا کہ میرے دوست ابو القاسمؐ نے مجھ کو خبر دی ہے اتنا زبان سے نکلا تھا کہ بے اختیار رونے لگے۔ پھر کہا میرے دوست ابو القاسمؐ نے مجھ کو خبر دی ہے۔ اور پھر اتنا کہہ کر آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی۔ آخر اس نے اپنے پر قابو پا کر کسی طرح کہا۔ میرے دوست ابو القاسمؐ نے خبر دی ہے کہ جو بندہ خدا کا سجدہ کرتا ہے۔ خدا اس کا ایک درجہ بلند کر کے ایک بدی مٹا کر نیکی لکھتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں اس نے کہا۔ ابوذرؓ رسولؐ خدا کا صحابی۔ یہ سن کر میں اپنی کوتاہی پر

---

[1] ابوداؤد شریف ۱۲۔

بہت نادم ہوا۔

آخر عمر میں دنیا کی دلفریبیوں سے اکتا کر آبادی سے ربذہ نامی ایک بستی میں منتقل ہو گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ وفات کا واقعہ بھی نہایت دردناک اور عبرت خیز ہے۔ ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ جب ان کی حالت زیادہ نازک ہوئی۔ تو میں رونے لگی۔ انھوں نے پوچھا تم کیوں رو رہی ہو۔ میں نے کہا تم ایک ویران جگہ سفر آخرت کر رہے ہو۔ یہاں میرے اور تمہارے استعمالی کپڑوں کے سوا کوئی ایسا کپڑا بھی نہیں جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا تم رونا موقوف کرو میں تمہیں ایک خوش خبری سناتا ہوں میں نے سرکار دو عالمؐ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ اس کو آگ سے بچانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا۔ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص ویرانے میں مریگا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہونچ جائیگی میرے علاوہ ان میں کے تمام لوگ آبادی میں مر چکے۔ لہذا اب وہ شخص میں ہی ہوں۔ جاؤ راستے پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی چنانچہ میں بار بار جا کر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتی کہ اچانک دور سے کچھ سوار آتے نظر آئے۔ میں نے اشارہ سے ان لوگوں کو بلایا۔ انھوں نے آتے ہی پہلے ابوذرؓ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ میں نے کہا ابوذرؓ۔ انھوں نے کہا۔ صحابی رسولؐ؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ لوگ

فدیتہ بابی و امی کہہ کر ابوذرؓ کی طرف لپکے۔ ابوذرؓ نے پہلے انھیں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی سنائی۔ اس کے بعد اپنے دفن کی وصیت کی۔ وصیت کے بعد ان لوگوں کی موجودگی میں اس دارفانی سے رحلت کی۔ اس قافلے میں بڑے بڑے صحابیؓ تھے۔ جن میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اسی جنگل کے ایک کونے میں صحابی رسولؐ کو خاک کے سپرد کیا۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

نام عبداللہ۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن۔ والد کا نام عمرؓ اور والدہ کا نام زینب تھا۔

حضرت عمرؓ نے جس وقت اسلام قبول کیا اس وقت ان کی عمر تقریباً پانچ برس تھی۔

اس طرح انھوں نے توحید کے خانوادہ میں پرورش پائی، اور اگر قبول اسلام کی بات ہو تو یوں کہہ دیا جائے گا کہ انھوں نے پانچ سال کی عمر میں اس طرح اسلام قبول کیا جس طرح گھر کے بڑے بوڑھوں کے تبدیل مذہب سے غیر شعوری طور پر بچے بھی اپنا مذہب بدل لیتے ہیں۔ جوان ہونے کے بعد حضرت ابن عمرؓ ایک پرجوش مسلمان

[1] مہاجرین ملخصاً بحوالہ مستدرک حاکم ۱۲۔

ثابت ہوئے، اور کیوں نہ ہوتے، کس باپ کے بیٹے تھے، چنانچہ کفر واسلام کی سب سے پہلی جنگ بدر میں آپ نے جانبازی کے شوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انھیں شریک کرلیا جائے، جبکہ ان کی عمر اس وقت صرف ۱۳ سال تھی۔ جس عمر کو کھیل کود کی عمر سے تعبیر کیا جاتا ہے آنحضرتؐ نے یہی کہہ کر مسترد فرمادیا کہ تم ابھی عمر میں چھوٹے ہو۔ دل تو نہ چاہتا تھا کہ یہ خواہش رد ہو مگر آنحضورؐ کے حکم کے بعد سکوت اختیار کرنا پڑا۔ غزوۂ بدر کے ایک سال بعد احد کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس مرتبہ اس امید پر درخواست کی کہ اب عمر اس لائق ہو گئی ہوگی کہ شرکت کر سکوں مگر ظاہر ہے کہ راہ خدا میں قربانی کا جذبہ یہ سب کچھ کروا رہا تھا۔ ورنہ ان کی عمر اس وقت بھی اس لائق نہ ہوئی تھی اسی لئے اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ نے ان کی درخواست قبول نہ فرمائی۔ اور پھر احد کے دو سال بعد غزوۂ خندق میں اجازت مل ہی گئی۔ اس کے بعد سے آنحضرتؐ کی وفات تک کوئی بھی ایسی بڑی مہم نہیں تھی جس میں یہ شریک نہ ہوئے ہوں۔ آنحضورؐ کے بعد آپ کے خلفاءؓ کے زمانے میں بھی آپ حق و باطل کے معرکوں میں حق کا ساتھ دیتے رہے۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کے زمانے میں شام اور مصر کی فتوحات میں شرکت کی اسی طرح عثمان غنیؓ کے زمانے میں افریقہ کی مہم میں شرکت کی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی تقریباً ۱۰ سال

عمر گذری۔ یعنی تقریباً ۵ سال کی عمر سے ۸۴ سال کی عمر تک حضورؐ کی
صحبت میں رہے اس صحبت نے ان کی زندگی پر جو نقوش چھوڑے
اس کی تفصیل تو بیان نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس کا اندازہ صرف
اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد جب فتنہ و
فساد کا دور شروع ہوگیا۔ تب بھی ان کی زندگی بالکل حضورؐ کے سامنے
جیسی تابناک رہی۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے تھے کہ ہم میں سوائے
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دنیا کی دل
فریبیوں کی طرف مائل نہ ہوا ہو۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر
کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے اصحاب کو دیکھنا
چاہتا ہو جن میں آپ کے بعد کوئی تغیر نہ پیدا ہوا ہو تو وہ ابن عمرؓ کو
دیکھے۔ ان کے علاوہ ہم میں کے ہر شخص کو حوادث زمانہ نے کچھ نہ کچھ
بدل دیا ہے۔ حضرت حذیفہ رضؓ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے
بعد ہر شخص بدل گیا۔ مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ نہیں بدلے۔
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کیحالت
وکیفیت کا عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا۔ حضرت
زین العابدین رضؓ فرماتے تھے کہ ابن عمرؓ زہد و تقویٰ اور اصابت رائے
میں ہم سب سے فائق تھے۔

یہ اقوال و آراء صرف خوش خیالیوں پر مبنی نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت
یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی زندگی کو سنت نبوی کے سانچے میں

ڈھال دیا تھا۔ وہ ہر ہر بات میں حتیٰ کہ بول و براز میں آنحضرتؐ کی سنت
پر عمل کرتے تھے۔ ایکمرتبہ انھوں نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ کسی
نے شیشے کے گلاس میں لاکر پیش کیا۔ انھوں نے صرف اس لئے
اس کے پینے سے انکار کردیا کہ یہ سنت کے خلاف تھا۔ چنانچہ بعد
میں لکڑی کے پیالے میں پیش کیا گیا۔ اسے پی لیا۔[1]

حج کرنے کے لئے نکلے تو اس حد تک سنت کا اہتمام کرتے کہ جس
راستے سے حضورؐ گذرتے تھے اسی راستے سے یہ بھی گذرتے تھے۔
جہاں جہاں حضورؐ اترتے تھے وہاں یہ بھی اترتے تھے۔ جن جن مقامات
پر حضورؐ نے نمازیں پڑھیں انھیں مقامات پر یہ بھی پڑھتے۔ آنحضرتؐ
مسجد قبا میں سوار اور پیادہ دونوں طریقوں سے تشریف لے جاتے
تھے یہ بھی دونوں طریقوں پر عمل کرتے۔ انتہا یہ تھی کہ جس مقام پر حضورؐ
نے کبھی طہارت کی ہو وہاں پر حضرت ابن عمرؓ کا طہارت کرنا ضروری
تھا۔ خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔[2]

اسقدر شدت کے ساتھ سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے دیکھ
کر حضرت ابن عمرؓ کے غلام اور شاگرد خاص حضرت نافعؒ جو کہ حضرت
ابن عمرؓ کی صحبت میں تیس سال رہے۔ تابعین اور اپنے شاگردوں
سے کہا کرتے تھے کہ اگر آج ابن عمرؓ ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی اس
شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانے ہیں

---

[1] مہاجرین ملخصاً بحوالہ ابن سعد [2] مہاجرین ملخصاً بحوالہ بخاری ۱۲-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ علم کے میدان میں بھی صف اول کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کو قرآن مجید سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس کی سورتوں اور آیتوں کے سمجھنے میں انتہائی کمال حاصل تھا۔ اللہ کی دین کہ انکے لئے مواقع بھی فراہم تھے۔ آنحضورؐ کی بارگاہ میں حاضر باش رہتے۔ فاروق اعظم جیسا مربی و سرپرست ملا، اور پھر خود انھیں بھی علم کی جستجو کا انتہا درجہ شوق تھا۔ جس کا اندازہ اسکے سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر اور اس کے سمجھنے میں ۱۴ سال صرف کئے۔

ان تمام باتوں نے مل کر انھیں علوم کا سمندر بنا دیا تھا تفسیر، حدیث فقہ، تمام علوم میں کمال حاصل تھا۔ جوانی ہی میں فہم قرآن کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا بڑے بڑے اصحابؓ کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہو کر کسب فیض کرتے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے تمام اصحابؓ سے قرآن پاک کی اس مثال کے متعلق دریافت فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ وہ پاک درخت کے مثل ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں

کہ یہ کونسا درخت ہے، تمام صحابہؓ خاموش رہے حتی کہ اجلہ صحابہؓ جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ بھی خاموش رہے مگر حضرت ابن

عمرؓ سمجھ گئے۔ لیکن اکابر صحابہؓ کی خاموشی کی وجہ سے ان کی بھی ہمت نہ پڑی۔ آخر خود حضورؐ نے بیان فرمایا کہ وہ کھجور ہے۔ بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے بتایا کہ یہ میری سمجھ میں پہلے ہی آگیا تھا تو انھوں نے کہا کہ تمہیں جواب دینا چاہیئے تھا۔[1]

حدیث کی اشاعت و ترویج میں بھی حضرت ابن عمرؓ کا مثالی کردار ہے مدینہ میں مستقل درس حدیث دیتے اور حضور اقدس صلعم کے ارشادات پر لوگوں کو عمل کرنے کی تلقین کرتے، حج کے موقع پر فتوے دیتے لوگوں کی اصلاح کرتے اور بات بات میں ٹوکتے۔ علی بن عبدالرحمن کا کہنا ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا نماز تمام کر چکا تو حضرت ابن عمرؓ نے ٹوکا۔ اور کہا جس طریقے سے رسولؐ خدا نماز پڑھتے تھے اسی طریقے سے پڑھا کرو۔ اس کے بعد طریقہ بتلایا۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ رات بھر نماز پڑھتے تھے صبح کے قریب مجھ سے پوچھتے کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ اگر میں ہاں کہتا تو پھر طلوع سحر تک استغفار میں مشغول ہو جاتے اور اگر نہیں کہتا تو بدستور نماز میں مصروف رہتے۔

چونکہ حضرت ابن عمرؓ بہت صاف گو اور حق پسند تھے اس لئے حق بات کہنے میں کسی جگہ چوکتے نہیں تھے۔ حجاج کے ظلم و ستم کا حال

---

[1] بخاری شریف ۱۲

مشہور زمانہ ہے وہ کبھی بھی کوئی غلط بات کرتا تو یہ اس کی گرفت کرتے
اس کو یہ چیز بہت ناگوار گذرتی مگر یہ اس کی پرواہ نہ کرتے وہ ان
کا علانیہ تو کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا ورنہ اس کی جان خطرے میں پڑجاتی
کیونکہ حضرت ابن عمرؓ ہر دلعزیز تھے اس لئے اس نے یہ ترکیب
نکالی کہ جب یہ ۷۴ھ میں حج کرنے گئے تو اس نے کچھ لوگوں کو حکم
دیا کہ وہ زہر آلود نیزے کے ذریعہ ان کے پیر میں خراش دے دیں
اس طرح ملزم گرفتار بھی نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ اس موقع پر مجمع بہت ہوتا
ہے۔ غرض یہ کہ اس کی بنائی اسکیم کے تحت آپ کے پیر میں نیزہ کا
زخم دیدیا گیا۔ جس کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔ اور یہی موت
کا پیغام بھی بن گیا۔ اس طرح ۷۴ھ میں چوراسی سال کی عمر میں
حضرت ابن عمرؓ نے انتقال کیا۔ حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور
مہاجرین کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

خالد نام۔ ابو سلیمان کنیت۔ سیف اللہ لقب۔ والد کا نام ولید
اور والدہ کا نام لبابہ تھا۔

خالد کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز تھا۔ سپہ سالاری
اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ انہی کے خاندان میں تھا۔
خالد ہمیشہ ایک جری اور بہادر سپاہی کی حیثیت سے میدان

میں آئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ غزوہ احد میں کفار کی
طرف سے آئے تھے۔ نہایت شجاعت سے لڑے اور مشرکین کے
اکھڑے ہوئے پیروں کو دوبارہ جمایا۔ اسلام لانے کے بعد وہ ساری
قوتیں اسلام کی راہ میں صرف ہونے لگیں۔

خالد کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ عمرو بن العاص حبشہ
سے قبول اسلام کی غرض سے حضورؐ کی خدمت میں آرہے تھے کہ
راستے میں خالد سے ملاقات ہوئی۔ عمروؓ نے پوچھا کہاں چل دیے؟
خالد نے کہا یہ شخص یقیناً نبی ہے چلو چل کر اسلام قبول کریں۔ اس طرح
دونوں ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور پہلے خالدؓ
نے پھر عمروؓ نے اسلام قبول کیا۔

خالدؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل
ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ خالدؓ کی بہادری اسلام کے لئے ایک مستقل
خطرہ بنی رہتی تھی۔ مگر ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی قوت
مشرکین کے لیے خطرہ ہوگئی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے سب سے پہلے غزوہ
موتہ میں شرکت کی۔ اور اپنی حسن تدبیر سے مسلمانوں کو نقصان سے
بچایا۔ اور کفار کو تہ تیغ کیا۔ اسی غزوہ میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں
ٹوٹیں جس کے صلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا
لقب مرحمت فرمایا [1]

---

[1] مہاجرین۔ بحوالہ بخاری ۱۲

سچ تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کو اپنے اس فاتح اعظم پر ناز ہے اور کیوں نہ ہو۔ یہ کون تھا۔ یہ وہی تھا جس نے دشمن کی طرف رخ کیا تو اسے شکست ہی دے کر لوٹا۔ تقریباً سوا سو لڑائیوں میں اپنی ننگی تلوار کے بے پناہ جوہر دکھائے۔ جسم کا ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہیں تھا جس پر تلواروں اور نیزوں کے زخم کا نشان نہ ہو۔ وہ اکثر جہاد فی سبیل اللہ کے شوق میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے میدان جنگ کی وہ سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں اس شب عروسی سے زیادہ محبوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔ آخر وقت جب اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے تو کہا کرتے۔ افسوس کہ میری ساری زندگی میدان جنگ میں گذری۔ اور آج میں جانوروں کی طرح بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہا ہوں۔ [۱]

ان کی شجاعت اور جواں مردی پر خود ہادی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا اعتماد تھا۔ چنانچہ جب ان کے ہاتھ میں علم آجاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے۔ غزدۂ موتہ میں جب یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے تین کمانڈروں کے شہید ہوجانے کے بعد فاتح اعظم خالدؓ نے علم سنبھالا تو سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی عدم موجودگی میں فرمایا کہ اب لڑائی کا تنور گرمایا ہے۔ کس قدر اعتماد تھا آپ ﷺ کو اس کا اندازہ "اب" کے لفظ سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کے تین کمانڈر جنھوں

[۱] مہاجرین بحوالہ اصابہ و استیعاب ۱۲

نے اس غزوہ میں علم سنبھالا تھا حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھے تھے۔ حضور ﷺ نے ایک مسلمان کے خون ناحق کے قصاص کے لئے تین ہزار کی ایک فوج حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ فرمائی اور یہ ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ علم سنبھالیں۔ اگر وہ بھی راہ خدا میں کام آجائیں تو عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھیں۔ چنانچہ اسی ترتیب کے ساتھ تینوں بزرگ علم سنبھالتے رہے۔ اور راہ خدا میں شہید ہوتے رہے۔ آخر میں حضرت خالدؓ نے علم سنبھالا تو حضور ﷺ نے اپنے اعتماد کا اظہار یوں فرمایا "اب لڑائی کا تنور گرمایا"۔ آنحضور ﷺ نے اسی طرح خالدؓ کی بہت دفعہ مدح سرائی فرما کر ان کے جذبۂ جان فروشی کو تازگی بخشی۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے، ایک گھاٹی کی طرف سے خالدؓ بھی نمودار ہوئے۔ حضور ﷺ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا دیکھو کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا خالد بن ولیدؓ۔ فرمایا۔ "یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے"۔ حضور ﷺ خود بھی قدر کرتے اور صحابہؓ کو بھی حکم دیتے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا۔ خالدؓ کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دینا۔ کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔

یوں تو حضرت خالدؓ کی فتوحات کی تعداد تقریباً سوا سو ہے مگر ان میں سے عراق و شام کی فتوحات کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

ان فتوحات میں حضرت خالدؓ جس بے جگری اور جان نثاری

کے ساتھ لڑے۔ اور جس قدر فائدہ اسلام کو پہونچا اتنا دوسری فتوحات
میں نہیں ہوا۔

فتح شام کے موقع پر ہرقل نے یہ چالاکی کی کہ مسلمانوں کے مقابلے
کے لئے جگہ جگہ دستے بھیج دیئے کہ وہاں مقابلہ ہو۔ یہ ترکیب اس
نے اس لئے کی کہ مسلمان ایک جگہ جمع نہ ہوسکیں۔ چنانچہ جب فاروق
اعظمؓ کے حکم سے حضرت خالدؓ عراق سے شام کی طرف روانہ ہوئے
تو پہلے آپ کو راستے میں حدرداء۔ ارک، سوئی، حوارین، قصم، مرج
راہط وغیرہ سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اس کے بعد شام پہونچے۔ سب سے پہلے بصرہ کی طرف بڑھ
کر بطریق کو پسپا کیا۔ اس کے بعد فلسطین کی طرف بڑھے یہاں بصرہ
کی شکست خوردہ فوج کے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے چنانچہ ان سے
بھی مقابلہ کیا اور انھیں جہنم رسید کر کے دمشق کی طرف بڑھے یہ چونکہ
صدر مقام تھا اس لئے یہاں دشواری ہوئی۔ مکمل تین مہینے تک محاصرہ
کرنے کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک رات دمشق کے بے فکرے
ایک جشن سے فارغ ہونے کے بعد شراب میں دھت پڑے سو
رہے تھے کہ خالدؓ نے حملہ کر دیا۔ دمشق والے اس ناگہانی عذاب سے
گھبرا گئے اور حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کی درخواست کی اور شہر پناہ
کے تمام دروازے خود کھول دیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے درخواست
منظور کر لی۔ ایک طرف سے خالدؓ فاتحانہ داخل ہوئے، دوسری

طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ۔ راستے میں دونوں سے ملاقات ہوئی
ابو عبیدہؓ چونکہ امیر لشکر تھے اس لئے ان کے معاہدہ کے مطابق اس
کے بعد عمل ہوا۔

دمشق کو فتح کرنے کے بعد مقام فحل پر ایک جھڑپ ہوئی مسلمانوں
کی کمان حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں تھی اس میں بھی حق کی فتح ہوئی اس
کے بعد حمص۔ یرموک۔ حاضران مقامات پر جھڑپیں ہوئیں۔ اور باطل
شکست کے بعد شکست سے دوچار ہوتا گیا۔ اور پھر مقام قنسرین
پر پہنچ کر ہرقل کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ اور اہل قنسرین نے
صلح کی درخواست پیش کر دی اور ہرقل کو مایوس ہو کر شام مسلمانوں
کے حوالے کر کے قسطنطنیہ جانا پڑا۔ جاتے وقت اس کی زبان پر یہ
حسرت انگیز کلمات تھے۔

"اے شام تجھ کو آخری سلام ہے اب ہم تجھ سے جدا ہوتے
ہیں۔ افسوس اس سرزمین میں جس پر ہم نے حکمرانی کی بے اطمینان
کے ساتھ نہ آسکیں گے۔ اس طرح باوجودیکہ مقابلہ بہت سخت
تھا اور مسلمانوں کی قوت تقسیم ہو گئی تھی۔ مگر حضرت خالدؓ اور
حضرت ابو عبیدہؓ ان دو بزرگوں کی حسن تدبیر سے دشمن کو شکست
کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شام کی عظیم سلطنت مسلمانوں کے زیر نگیں
آگئی۔ حضرت خالدؓ کے قدموں میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت دی تھی کہ
جس طرف رخ کیا کبھی ناکام واپس نہ ہوئے، نصرت خداوندی اس

طرح شامل رہتی کہ ہر جگہ فتح و کامرانی جیسے ان کی منتظر رہتی اسی سے اندازہ
لگایا جاسکتا ہے کہ سوا سو غزوات میں جب انھوں نے شرکت کی تو
اسلام کو ان کی ذات سے کتنا فائدہ پہنچا اور دشمنان اسلام کا کس
قدر نقصان ہوا؟ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلامی میں اس مایۂ ناز ہیرو
کا نام سنہرے حروف میں ثبت ہے اور آج ہمیں یہ دعوی کرنے
کا بجا طور پر حق ہے کہ خالدؓ کی مثال کسی مذہب کی تاریخ نہیں پیش
کرسکتی۔ صحابۂ کرامؓ کے لئے دین و دنیا کی سب سے بڑی دولت
حضورؐ کی خوشنودی تھی وہ اس کا ہر وقت لحاظ رکھتے۔ سفر میں ہوں
یا حضر میں، گھر میں ہوں یا باہر، حضورؐ کی خوشنودی سے کسی وقت بھی
وہ غافل نہ رہتے۔ حضرت خالدؓ میں بھی یہ صفت درجہ کمال کو پہنچی
ہوئی تھی اور اس کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے۔

ایکمرتبہ حضرت عمارؓ اور حضرت خالدؓ میں بحث و مباحثہ ہوگیا۔
نوبت اس حد تک پہونچی کہ عمارؓ نے آبدیدہ ہوکر دربار نبوی میں شکایت
کی۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص عمارؓ سے بغض رکھتا ہے وہ خدا سے
بغض رکھتا ہے۔ اس جملے کو سن کر خالدؓ کی یہ حالت ہوئی کہ کہتے ہیں کہ
جب میں آنحضرت کے پاس سے ہٹا تو عمارؓ کی رضامندی سے زیادہ
میرے لئے کوئی چیز محبوب نہ تھی۔

آنحضورؐ سے عقیدت و محبت اس درجہ بڑھی تھی کہ ہر وہ چیز جس
کا حضورؐ سے ادنیٰ تعلق بھی ہو اس سے والہانہ عقیدت رکھتے چنانچہ

آنحضرتؐ کے موئے مبارک ایک ٹوپی میں سلوا لئے تھے جسے پہن کر
رزم گاہ میں جاتے، ایک مرتبہ کسی جنگ کے موقع پر وہ ٹوپی گر گئی تو
بہت پریشان ہوئے۔ آخر جب وہ مل گئی تو اطمینان ہوا۔

فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں کمانڈری سے معزول کر دئے
گئے جس کی وجہ ملکی و ملی مصالح تھیں۔ اگرچہ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ
فعل غیر دانشمندانہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ حالات جو اس وقت در
پیش تھے اس کے پیش نظر یہی مناسب تھا۔ منجملہ تمام وجوہ کے ایک
وجہ ان کی معزولی کی یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے اوپر اس درجہ
اعتماد ہوگیا تھا کہ بغیر ان کے مسلمانوں کو لڑتے جھجھک محسوس ہوتی
مسلمان یہ سمجھنے لگے تھے کہ فتوحات کا دارومدار خالدؓ کے اوپر ہے
ایسی حالت میں فاروق اعظمؓ جیسے مدبر حکمراں نے آئندہ کے
خطرات کو بھانپ لیا۔ اور انھیں معزول کر دیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ
نے بھی بات کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اسی قدر جواب معزولی کے
وقت دیا تھا۔ کہ میں نے فرمان سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسر کے
کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کو تیار رہوں۔ اور اپنے نئے
کمانڈر ابو عبیدہؓ کے متعلق کہا۔ اب امت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے
معزولی کے بعد حضرت عمرؓ نے انکو گورنر بنایا مگر پھر انکی طبیعت جمی
نہیں اس لئے از خود استعفا دیدیا۔ اور مدینہ میں مقیم ہوگئے،
سنہ ۲۱ھ یا سنہ ۲۲ھ میں کچھ دن بیمار رہ کر انتقال فرمایا[1]

---

[1] حضرت خالدؓ کے سنہ وفات اور جائے وفات دونوں چیزوں

بقیہ صفحہ ۱۳۰ پر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام سلمان، کنیت ابو عبداللہ، لقب سلمان الخیر، والد کا نام بوذخشان تھا۔ سلمان پہلے مجوسی (آتش پرست)، تھے اس کے بعد عیسائی ہوئے۔ اور پھر آخر میں اسلام کی نعمت بے پایاں سے ہمکنار ہوئے۔

مذہب کے سلسلہ میں ہمیشہ سخت رہے اور اس کی خاطر ہر دور میں تکلیفیں برداشت کیں۔ آتش پرستی کے زمانے میں اس قدر غلو رہا کہ دن رات آگ کی نگرانی کرتے، حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہونے لگا جو کسی وقت آگ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیتے۔

ان کا باپ کاشتکار تھا اور کھیتی کی نگرانی خود کرتا تھا۔ ایک دن کسی وجہ سے وہ نہ جا سکا۔ بلکہ سلمانؓ کو بھیجا۔ سلمانؓ کو راستے میں ایک گرجا گھر ملا جہاں عیسائی عبادت میں مشغول تھے ان کو ان کی عبادت

میں اختلاف ہے صاحب مشکوٰۃ کی تحقیق کے مطابق سنہ ۲۱ھ میں وفات ہوئی۔ اور صاحب مہاجرین نے اصابہ کے حوالہ سے سنہ ۲۲ھ نقل کیا ہے۔ جائے وفات کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حمص میں وفات ہوئی۔ مگر صاحب مہاجرین نے مدینہ والے قول کو صحیح کہا ہے۔ ۱۲

بہت بھائی حتیٰ کہ شام تک کھڑے انہیں دیکھتے رہے اور دل میں یقین پیدا ہو گیا کہ یہ مذہب ہمارے موجودہ مذہب سے بہتر ہے اس مذہب کے سلسلہ میں کچھ اور معلومات حاصل کر کے گھر لوٹ آئے، یہاں آنے پر باپ نے پوچھا کہاں تھے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجا میں عبادت کر رہے تھے مجھے ان کا طریقہ بہت پسند آیا۔ اسی کو دیکھتا رہا، باپ نے کہا وہ مذہب ہمارے مذہب کے پاسنگ بھر بھی نہیں ہے۔

جواب دیا خدا کی قسم ہمارے مذہب سے وہ مذہب بہت زیادہ بہتر و برتر ہے۔ باپ کو یہ جواب سن کر بہت تشویش ہوئی۔ اور اسی دن سے زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیا۔ جب کسی چیز کی دل میں سچی تڑپ ہوتی ہے تو راہ کا ہر روڑا ایک معمولی کنکری سے زائد اہمیت نہیں رکھتا چنانچہ سلمانؓ بھی زنجیروں کو تڑا کر ایک دن بھاگ ہی نکلے اور شام چلے گئے جو اس وقت عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں پہونچ کر ایک پادری کے ساتھ رہنے لگے۔ جو بہت بے ایمان اور خود غرض تھا سلمانؓ کو اس سے بڑی کوفت ہوتی مگر رہنے پر مجبور تھے، بہر حال کچھ دن کے بعد وہ مر گیا۔ اور اس کی جگہ دوسرا پادری آ گیا یہ بالکل پہلے کی ضد تھا۔ سلمانؓ کو اس سے بہت محبت ہو گئی اور آخر تک اس کے ساتھ رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو سلمانؓ نے اس سے کہا کہ اب آپ کا دم آخر ہے مجھے سچے پیرو کی تلاش ہے آپ ہی کوئی نام بتا دیں۔ اس پادری نے موصل کے ایک پادری

کا نام بتا دیا۔ سلمانؓ اس کے پاس پہونچے اور اس سے ساری سرگذشت سنانے کے بعد کہا۔ میں آپ کی خدمت میں فلاں پادری کی ہدایت کے مطابق رہنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کے ساتھ محبت کا سلوک کیا۔ اور انھیں ٹھہرالیا۔ یہ پادری بھی بہت نیک اور دیانتدار تھا۔ سلمانؓ اس کے پاس رہ پڑے۔ حتیٰ کہ اس کی آخر زندگی تک اس کے ساتھ رہے اس کے انتقال کے وقت سلمانؓ نے اس سے بھی وہی بات دریافت کی جو پہلے والے پادری سے دریافت کی تھی کہ مجھے کسی ایسے خدا رسیدہ اور مخلص آدمی کا نام بتا دیجئے جس کی صحبت سے میں فائدہ اٹھا سکوں۔ اس پادری نے نصیبین کے ایک پادری کا نام بتایا۔ یہ اس کے پاس پہنچے اور اس کی صحبت سے اپنی پیاس بجھانے لگے کچھ دنوں بعد اس کا بھی وقت آپہنچا۔ سلمانؓ نے حسب سابق اس سے بھی وہی بات پوچھی اس نے عموریہ کے ایک پادری کا نام بتایا۔ یہ اس کے پاس گئے اور اس سے اپنی پوری سرگذشت سنا کر کہا۔ میں فلاں پادری کی ہدایت سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اور یہیں رہونگا۔ اس پادری نے اجازت دیدی۔ انھوں نے کچھ بکریاں خریدیں جن سے غذائے مادی حاصل کرتے۔ اور اس پادری سے غذائے روحانی حاصل کرتے گذشتہ پادریوں کی طرح جب اس کے مرنے کا وقت آیا، تو سلمانؓ نے اس سے بھی وہی بات پوچھی جو گذشتہ تمام پادریوں سے

پوچھی تھی۔ اس پادری نے دوسرے تمام پادریوں سے مختلف بات کہی۔ اس نے کہا بیٹا۔ آج دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں۔ البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ آیا ہے جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کریگا۔ اور کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی۔ اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔[1]

اس پادری کی بشارت کے بعد سلمانؓ کے دل میں جمال نبوی کے دیدار کی تڑپ پیدا ہوگئی۔ انھوں نے سوچا کہ اب عرب ہی میں جا کر آباد ہو جایا جائے۔ بہر حال عربوں کا ایک قافلہ کچھ دن بعد ادھر سے گذرا۔ سلمانؓ نے قافلہ والوں سے کہا۔ ہمیں تم عرب پہونچا دو ہم اس کے معاوضے میں تمہیں بکریاں دیں گے۔ قافلہ والوں نے منظور کر لیا اور سلمانؓ کو ساتھ لے کر چل دیئے۔ راستے میں یہ [illegible] بیچ کر انھوں نے گھاٹ کی۔ اور لالچ میں پھنس کر سلمانؓ کو غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور پھر اس یہودی نے اپنے ایک بھائی کے ہاتھ جو مدینہ کا رہنے والا تھا فروخت کر دیا۔ اس طرح سلمانؓ مدینہ پہونچ گئے۔ مگر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے

[1] مہاجرین بحوالہ مسند امام احمد ۱۲

لیکن وہ خوش تھے بہت خوش۔ کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اس غلامی پر جو مطلوب و محبوب تک پہونچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں اور پھر وہ ایک دن درخت پر چڑھے ہوئے اپنے آقا کے لئے کھجوریں توڑ رہے تھے کہ انھیں یہ خبر ملی کہ وہ نبی اُمّیؐ جس کی بشارت اس پادری نے دی تھی مدینہ ہجرت کر کے آگیا ہے۔ کیونکہ گھر والوں نے انسانیت کا پیغام سنانے اور اس کی تعلیم دینے کی سزا میں اسے گھر سے نکال دیا ہے اب تک تو سلمانؓ کو اپنے آقا سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ اس گوہر مقصود کا پتہ لگاتے۔ مگر اب جبکہ اس کا پتہ لگ گیا اور وہ ان سے اتنا قریب ہوگیا تو ان سے کیسے ضبط ہو سکتا تھا؟ ایک دن کھانے کی کچھ چیزیں لے کر دربار نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں اور حاجتمند بھی ہیں میرے پاس کچھ چیزیں صدقہ کی رکھی تھیں۔ آپ حضرات سے زائد مستحق کوئی نہیں۔ لہذا اسے قبول فرمائیے۔ سرکار رسالتمآب صلعم نے اسے قبول فرما کر صحابہؓ پر تقسیم کر دیا۔ مگر خود نہیں کھایا۔ دوسرے دن پھر سلمانؓ ہدیہ لے کر حاضر ہوئے۔ اور کہا کل آپ نے صدقہ کی وجہ سے نہیں کھایا تھا۔ آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ حضورؐ نے قبول فرما کر خود بھی کھایا۔ اور صحابہؓ کو بھی دیا۔ سلمانؓ کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت پادری نے دی تھی۔ اور پھر اس کی بتائی ہوئی

دوسری نشانی مہر نبوت کی بھی زیارت کی۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کی ساری داستان سنی۔ اور ان کی خواہش پر اسلام میں داخل کر لیا۔ غلامی کی وجہ سے احد و بدر کے معرکوں میں شرکت نہ کر سکے، دوسرے فرائض مذہبی میں بھی غلامی کی وجہ سے رخنہ پڑتا۔ اس لئے حضورؐ نے صحابہؓ کی مدد سے تین سو درخت اور چالیس اوقیہ سونے کے بدلے انھیں غلامی کی بندھن سے آزاد کرا لیا۔

آزادی کے بعد سب سے پہلی جنگ خندق ہوئی۔ اس میں آپ نے شرکت کی۔ اور اپنی حسن تدبیر سے دشمنوں کا مقابلہ اس طرح کیا کہ انھیں شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔ چونکہ یہ ایران کی لڑائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لئے بہت سے ایسے طریق جنگ تھے جن سے یہ واقف تھے اور عرب نہیں واقف تھے، چنانچہ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ مقابلہ کھلے میدان میں کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو خندق کھودنے کی ترکیب بتائی اس پر عمل ہوا۔ جس کے نتیجے میں دشمن کو ناواقف ہونے کی وجہ سے باوجود کثرت کے مقصد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طریقے سے حضرت سلمانؓ نے حضورؐ کی زندگی کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ فاروق اعظمؓ کے زمانے کی اہم جنگوں میں بھی شرکت کی۔ اور نت نئے طریقوں سے دشمنوں کو کچلا۔

چونکہ اسلام لانے کے بعد سے حضرت سلمانؓ کے دن کا اکثر حصہ حضورؐ کی صحبت میں گذرتا۔ اس لئے آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ جس کا سرسری اندازہ صحابہ کرامؓ کے ان اقوال سے ہو سکتا ہے کہ ایکمرتبہ حضرت علیؓ سے حضرت سلمانؓ کے علم کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ”وہ علم و حکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے“۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم تھے حضرت سلمانؓ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ علم سلمانؓ سے حاصل کرو[1]۔ اور پھر انکے کمال علم و فضل کے لیے وہ تصدیقی الفاظ کیا کم ہیں جو خود سرور دوجہاں صلعم کی زبان مبارک سے نکلے کہ ”سلمانؓ علم سے لبریز ہے“۔[2]

ان تمام صفات کے ساتھ ہی زہد و سادگی کا یہ عالم کہ لوگ بسا اوقات مزدور سمجھتے۔ ایکمرتبہ ایک شخص نے اپنے جانوروں کیلئے چارہ خریدا۔ حضرت سلمانؓ پاس ہی کھڑے تھے اس نے مزدور سمجھ کر انھیں اٹھانے کا حکم دیا، یہ اسے اٹھا کر چلدیئے۔ راستے میں لوگوں نے کہا۔ لائیے میں پہنچا دوں۔ یہ حال دیکھ کر مالک نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے بتایا سلمانؓ۔ یہ سنکر وہ

---

[1] حضرت معاذؓ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ علم چار آدمیوں سے حاصل کرو۔ انھیں میں ایک سلمانؓ بھی تھے۔ ۱۲

[2] مہاجرین بحوالہ ابن سعد۔ ۱۲

بہت شرمندہ ہوا۔ اور حضرت سلمانؓ سے کہا کہ اب آپ زحمت نہ کیجئے۔ مگر وہ نہ مانے اور کہا مجھے میری نیت کا ثواب ملے گا میں اب اس بوجھ کو پہنچائے بغیر نہیں رکھ سکتا۔

حضرت سلمانؓ نے بہت دراز عمر پائی، صحیح عمر کے سلسلہ میں اختلاف ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دوسو پچاس (۲۵۰) سال کی عمر پائی۔ کچھ تین سو پچاس کہتے ہیں۔ کچھ کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زیارت کر چکے تھے۔ مگر صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے دوسو پچاس والے قول کو سب سے زیادہ صحیح کہا ہے۔ انھی کے قول کے مطابق ۳۵ھ میں مدائن میں وفات پائی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

نام عبداللہ۔ کنیت ابو موسیٰ، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کا خاندان اشعریین سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو اشعری کہا جاتا ہے۔

یمن سے مکہ میں آکر اسلام قبول کیا اور پھر واپس چلے گئے وہاں جاکر تبلیغ شروع کی، ہجرت سے قبل پچاس آدمیوں نے ان کی ہدایت سے اسلام قبول کیا تھا چنانچہ ان پچاس آدمیوں کے ساتھ ہجرت کی۔

قبول اسلام سے وفات نبوی تک تقریباً تمام غزوات میں شرکت کی۔ اور نہایت پامردی سے لڑے۔ اس کے بعد فاروق اعظمؓ کے زمانے میں بھی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ آنحضورؐ نے اپنے زمانے ہی میں انھیں یمن کا گورنر بنایا تھا۔ اور یہ صرف حضرت ابوموسیٰ کا اعزاز تھا کہ حضورؐ نے انھیں انکے خاندان والوں کی خواہش پر کوئی عہدہ دیا۔ ورنہ حضورؐ کو اس سے بہت اعراض تھا چنانچہ فرمان ہے کہ "جو کوئی خود کسی عہدہ کی خواہش کریگا اسے ہرگز اس پر مامور نہ کرونگا"، حضرت ابوموسیٰ کی گورنری کا معاملہ اس طرح حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ کہ دو اشعری انھیں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ابوموسیٰ کے لئے کسی عہدہ کی خواہش ظاہر کی۔ آپ مسواک فرمارہے تھے۔ یہ سنکر جوش کی وجہ سے مسواک رک گئی اور حضرت ابوموسیٰ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "ابوموسیٰ، ابوموسیٰ"، انھوں نے کہا یارسول اللہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو دین حق دیکر دنیا میں بھیجا میں انکے دل کے حال سے واقف نہیں تھا۔ اور نہ یہ جانتا تھا کہ یہ میرے لئے کسی عہدہ کی خواہش کریں گے، ارشاد ہوا جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کریگا۔ اسے ہرگز اس پر مامور نہ کرونگا لیکن ابوموسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تمہیں وہاں کا عامل مقرر کیا ہے [۱] یہ صرف اس لئے تھا کہ حضورؐ جانتے تھے کہ ابوموسیٰؓ فرمان نبوی کیخلاف

---

[۱] مہاجرین بحوالہ بخاری ۱۲

نہیں کر سکتے اور ان میں صلاحیتیں موجود تھیں لہذا انھیں ادنیٰ یمن کا گورنر بنادیا جبکہ اقصائے یمن پر آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مامور فرمایا۔ چونکہ یہ اپنے وطن کے عامل مقرر ہوئے تھے جہاں ان کا اثر بھی تھا اور عوام کو اعتماد بھی تھا اس لئے یہاں رہ کر نہایت خوبی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا۔ فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں متعدد بار انکا تبادلہ بھی ہوا، چنانچہ یمن کے بعد بصرہ، پھر کوفہ، پھر بصرہ، پھر کوفہ اس ترتیب سے ان مقامات کی امارت کے فرائض انجام دئے۔

خلیفۂ دوم فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد اکثر عمال بدل دئے گئے لیکن حضرت ابوموسیٰ کی صلاحیتوں اور بے لوث خدمات کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے انھیں بحالہ بصرہ کا عامل رہنے دیا اور ۲۹ھ تک انھوں نے اس کے فرائض انجام دئے۔

مسلمانوں کے درمیان ہونے والی دردناک جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کیجانب سے نیزہ پر قرآن مجید بلند ہونے کے بعد جب صلح کی نوبت آئی تو دونوں جانب سے ایک ایک حکم مقرر ہوا۔ اور یہ طے ہوا کہ دونوں مل کر جس بات پر متفق ہونگے اسی پر عمل ہو گا۔ حضرت ابوموسیٰ حضرت علیؓ کی جانب سے ثالث مقرر ہوئے۔ اور حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہ کی جانب سے۔

حضرت ابوموسیٰؓ ان مخصوص اصحابؓ میں تھے جنھیں دربار رسالت میں تقرب خاص حاصل تھا۔ اس کی بدولت یہ چشمۂ فضل وکمال سے کافی

سیراب ہوئے، مشہور مسلم علمائے صحابہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت
معاذ بن جبلؓ وغیرہ کے ساتھ علمی مجلسیں رہتیں اور باہم بحث و تکرار بھی ہوتی
حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو قرآن مجید سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فرصت کا
اکثر حصہ اس کی تلاوت اور فہم مطالب میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ
ایک مرتبہ حضرت معاذؓ نے پوچھا۔ آپ قرآن مجید کی تلاوت کس
طرح کرتے ہیں۔ فرمایا۔ رات دن میں جب بھی موقع ملتا ہے تھوڑا
تھوڑا کرکے پڑھ لیتا ہوں۔

ان کی تلاوت میں قدرتی طور پر عجیب کشش تھی۔ آنحضرت صلعم
فرماتے ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے حضورؐ کو انکی قرأت بیحد
پسند تھی ان سے فرمائش کرکے سنتے اور کہیں پڑھتے سنتے تو قیام فرماکر
سننے لگتے۔ ایکمرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ کہیں
تشریف لئے جارہے تھے کہ ابو موسیٰ رضؓ کی تلاوت کی آواز سنی۔ وہیں
کھڑے ہوکر سننے لگے اور جب سن چکے تو آگے بڑھے۔ صبح کو جب یہ حاضر
خدمت ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ ابو موسیٰ میں نے کل تمہاری قرأت
سنی تھی۔ عرض کیا یا رسول اللہ اگر مجھے علم ہوجاتا تو میں آواز میں اور دلکشی
پیدا کرتا۔ ایکمرتبہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔
ازواج مطہرات ان کی خوش الحانی سے متاثر ہوکر اپنے اپنے حجروں کے
پردے کے پاس کھڑی ہوکر سننے لگیں، صبح کو ابو موسیٰ رضؓ کو اس کی
اطلاع ہوئی تو کہا اگر مجھے علم ہوتا تو میں انھیں قرآن کا اس سے زیادہ

مشتاق بنادیتا۔ [۱]

کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمائش کرتے کہ خدا کی یاد دلاؤ۔ یہ قرآن
مجید پڑھ کر سناتے جس سے حضرت عمرؓ متاثر ہوتے۔

حدیث سے بھی حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی۔
حفظ حدیث کے معاملہ میں وہ اپنے معاصرین میں امتیازی شان کے
حامل تھے مگر اس کے باوجود اپنے علم پر اعتماد کرکے کوئی فتویٰ نہ دیتے
بلکہ اگر موقع آتا تو اپنی کم علمی اور دوسروں کے کمال علم کو ظاہر فرماتے
چنانچہ ایک مرتبہ ان سے میراث کے سلسلہ میں ایک فتویٰ لیا گیا جس کا
جواب حضورؐ کے جواب کے خلاف تھا اس کے بعد اسی مسئلہ کو حضرت
ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا انھوں نے کہا کہ اگر میں ابو موسیٰ کی تائید کرونگا
تو گمراہ ہونگا۔ اس لئے میں وہ جواب دونگا جو حضورؐ نے دیا ہے اس
کے بعد جواب دیا۔ اس کا علم جب ابو موسیٰ رضؓ کو ہوا۔ تو فرمایا جب تک
یہ عالم (ابن مسعودؓ) تم میں موجود ہے اس وقت تک تمہیں مجھ سے پوچھنے
کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضؓ کی زندگی کامل زندگی تھی اور ایک کامل زندگی بنانے
کے لئے سیرت نبوی پر عمل کرنا ہے، چنانچہ وہ اس پر سختی سے عامل تھے
سنن و مستحبات کو ترک کرنا بھی انھیں گوارہ نہ تھا قربانی کا جانور اپنے
ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے یہ خود اس پر عمل کرتے اور لڑکیوں تک کو

---

[۱] مہاجرین بحوالہ طبقات ابن سعد ۱۲۔

اس کی تعلیم دیتے تھے۔

آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں نہ داخل ہوا جائے اور اگر تین مرتبہ آواز دینے پر کوئی جواب نہ ملے تو گھر میں نہ داخل ہوا جائے۔ اور بغیر کسی ناراضگی کے واپس آجایا جائے، چنانچہ ابو موسیٰؓ اس پر بھی عمل پیرا تھے۔ ایکمرتبہ حضرت عمرؓ کے گھر گئے اور تین مرتبہ اجازت طلب کی وہ کسی دوسری طرف مصروف تھے اس لئے کوئی جواب نہ دیا یہ واپس چلے گئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ واپس کیوں چلے آئے؟ کہا فرمان نبوی اسی طرح ہے۔[۱]

حضرت ابو موسیٰؓ نے مسلمانوں کو باہم صف آرا ہونے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی اور جنگ صفین کے موقع پر انھوں نے ثالث کی حیثیت سے بہت چاہا کہ جنگ نہ ہو مگر ان کی نہ چلی اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی، حضرت ابو موسیٰؓ کو اس سے بہت افسوس ہوا، اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابیوںؓ کا خون اس طرح بہتے دیکھ کر وہ برداشت نہ کرسکے اور مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کرکے گوشہ نشین ہوگئے۔ صحیح قول کے مطابق ذی الحجہ ۴۴ھ میں وہیں وفات پائی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

نام عمرو، کنیت ابو عبداللہ اور ابو محمد، والد کا نام عاص اور والدہ

---

۱ مہاجرین ۱۲۔

کا نام نابغہ تھا، عمرو بن العاصؓ کا خاندان جاہلیت سے بہت معزز چلا آتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا انہی کے خاندان کے سپرد تھا۔

عمرو بن العاص جس طرف بھی رہے انتہا پسند رہے حالت کفر میں مسلمانوں کو اور اسلام کو تکالیف پہنچانے اور نقصان پہونچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، چنانچہ کفار مکہ کے ظلم وستم سے عاجز ہوکر سب سے پہلی مرتبہ مسلمان جب ہجرت کرکے حبشہ گئے ہیں تو عمرو بن العاص ایک وفد لے کر شاہ حبشہ کے پاس گئے اور اپنی پوری کوشش اس بات پر صرف کردی کہ شاہ کسی صورت سے مظلوم مسلمانوں کو پناہ نہ دے کر ان کے ظلم وستم کی آماجگاہ بنا رہنے دے، اسی طرح ابتدائے اسلام سے لے کر غزوۂ خندق تک مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کرتے رہے چونکہ انکا تعلق ایک بااثر خاندان سے تھا اس لئے یہ اپنی کوششوں میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہتے، مگر کہاں تک؟ آخر باطل کو حق کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔ اور غزوۂ خندق کے بعد عمرو بن العاص کو سوچنا پڑا کہ کیا محمدؐ کا دین حق ہے؟ اور پھر بہت غور و فکر کے بعد ان کے دل نے اس کی تائید کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنے لگا، قریش نے اس کو بھانپ لیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ دل جو حق سے آشنا ہوگیا ہو باطل کی طرف کیسے مائل ہو سکتا تھا چنانچہ ایک دن قریش نے ایک قاصد حقیقت کی دریافت کے لئے

بھیجا۔ اس نے ان سے کہا تم اپنے آبائی دین سے کیوں متنفر ہو گئے کس
چیز نے تمہیں مجبور کیا کہ تم محمدؐ کے دین کی طرف مائل ہو۔ عمروؓ کے سامنے
چونکہ حقیقت بے نقاب ہو چکی تھی اس لئے انھوں نے قاصد
سے کہا اچھا تم یہ بتاؤ کہ ہم لوگ حق پر ہیں یا اہل فارس و روم؟ اس نے
کہا ہم لوگ، پھر انھوں نے پوچھا، یہ بتاؤ کہ عیش
و آرام ہم کو میسر ہے یا ان کو؟ اس نے کہا ان کو! عمروؓ نے فوراً کہا
اچھا تو پھر یہ بتاؤ کہ ہماری حق پرستی کس دن کام آئے گی جبکہ ہم اس
عالم میں بھی باطل پرستوں کے مقابلے میں تنگ دست و پریشان حال
رہے اور دوسرے عالم میں بدلہ ملنے کی کوئی امید نہیں۔ (اس کا مطلب
تو یہ ہوا کہ حق پرستی سے انسان کو ہر طرح نقصان پہنچے گا، حالانکہ عقل
انسانی اس کو قبول نہیں کرتی) اس لئے محمدؐ کی یہ تعلیم کہ اس عالم کے بعد
ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا
اور سزا ملے گی کس قدر صحیح اور مطابق عقل ہے۔

غرضیکہ عمرو بن العاص کو غزوہ خندق کے بعد اسلامی تعلیمات نے
متاثر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح مکہ سے کچھ قبل انھوں نے مدینہ میں
آکر اسلام قبول کیا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے
پچھلے گناہوں کو معاف کرا دیجئے، رحمت عالم صلعم نے بشارت دی
کہ عمروؓ اسلام اپنے سے قبل کے تمام گناہوں کو منہدم کر دیتا ہے۔
اب عمروؓ آزاد تھے اور ان کا دل مطمئن تھا چنانچہ وہ ساری قوت

وشوکت جو ناحق ضائع ہو رہی تھی اب راہ حق میں خرچ ہونے لگی، حضورؐ
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعدد سرایا انکی سرکردگی میں بھیجے
گئے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد مسلمانوں کے لئے درد سر بن
گیا اس آزمائشی وقت میں حضرت عمروؓ عمان میں تھے خلیفۂ اول نے
ان کو وہاں سے بلوایا اور اطلاع کرائی کہ اس طرح کے حالات در پیش
ہیں یہ وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں قرۃ بن ہبیرہ
نامی ایک شخص کے یہاں مہمان ہوئے اس نے بہت خاطر مدارات
کی اور جب دیکھا کہ یہ اس سے بہت متاثر ہیں تو اکیلے میں لے جا کر کہا
کہ اگر عربوں سے زکوٰۃ لیگئی تو وہ کسی کی امارت کو قبول نہ کریں گے اور اگر
زکوٰۃ کا سلسلہ بند کر دیا گیا تو وہ مطیع ہو جائیں گے اس لئے زکوٰۃ کا
قانون اٹھا دینا چاہئے اس نے یہ سوچ کر کہا تھا کہ عمروؓ ہمارے احسان
سے دبے ہیں اس لئے ہماری بات سے اتفاق کریں گے، مگر عمروؓ کا
حق پسند دماغ اس کو کہاں گوارہ کر سکتا تھا۔ فوراً طیش آگیا اور حالت
غضب میں کہا قرہ کیا تم کافر ہو گئے ہو، مجھ کو عربوں سے ڈراتے ہو، خدا
کی قسم میں ایسے لوگوں کو گھوڑے کی ٹاپ سے مسل ڈالونگا یہ کہہ کر مدینہ
روانہ ہو گئے، مدینہ پہونچکر بنو قضاعہ کے مرتدین کا مقابلہ ان کے سپرد
ہوا۔ انھوں نے حسن تدبیر سے اس مہم کو سر کیا اور ان لوگوں کو دوبارہ
اسلام پر قائم کیا۔ اسی طرح حضرت عمروؓ نے فتوحات شام میں شرکت

کی، چنانچہ اجنادین، دمشق، یرموک، فلسطین ان تمام مقامات پر دشمن کا
مقابلہ کرکے اسے پے بہ پے شکست سے دوچار ہونے پر مجبور کیا
اس کے بعد آپ فتوحات مصر میں بہت بلند حوصلگی سے حصہ لیا
بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ انہی کے کاوشوں کا نتیجہ تھیں کیونکہ فتوحات
شام میں اگرچہ عمروؓ نے شرکت کی تھی مگر انکی طبیعت سیر نہ ہوئی تھی
کیونکہ ان فتوحات میں خالدؓ اور ابو عبیدہؓ کی جانفروشیوں کو زیادہ
دخل تھا اس لئے انھیں کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں وہ خاطر خواہ
اپنی تلوار کے جوہر دکھا سکیں، چنانچہ انھوں نے باصرار خلیفۂ دوم سے
اس کی اجازت لی، اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے
اور باب الیون، عریش، فسطاط، اسکندریہ ان تمام جگہوں پر دشمن سے
زبردست مقابلہ کرکے اسے پسپا کرکے اسلامی فتوحات کی فہرست
میں زبردست اضافہ کیا۔ ؎

ایک جری اور بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ حضرت عمروؓ دوسرے
میدانوں میں بھی دوسرے اصحابؓ سے پیچھے نہیں تھے، صدقات و
خیرات خدا کی راہ میں اس فراخدلی سے دیتے تھے کہ اسکی مثالیں
بہت کم ملتی ہیں، چنانچہ زبان رسالت سے بھی متعدد بار اس کا
اعتراف ہوا ہے ایکمرتبہ صحابہؓ کی موجودگی میں حضورؐ پر غنودگی طاری
ہوئی، بیدار ہوئے تو فرمایا۔ خدایا عمروؓ پر رحم فرما۔ پھر آنکھ جھپک گئی اور

؎ مہاجرین ملخصاً ۱۲

جب بیداری ہوئی تو پھر یہی فرمایا۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا، آخر صحابہؓ نے
دریافت کیا یا رسول اللہ کون عمروؓ؟ حضورؐ نے فرمایا۔ عمرو بن العاصؓ، جب
پوچھنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ کو وہ وقت یاد آگیا جب میں لوگوں سے صدقہ
منگواتا تھا تو عمروؓ بہت لاتے تھے اور جب میں پوچھتا کہاں سے لاتے
ہو تو کہتے خدا نے دیا ہے۔ حضرت عمروؓ نے مرض الموت میں فرمایا۔ مجھ
پر زندگی کے تین دور گذرے ہیں۔ ایک وہ جس میں آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا۔ اور میری بڑی تمنا یہی تھی کہ کسی طرح
قابو پاکر آپ کو قتل کردوں، اگر اس حالت میں مرجاتا تو میرے لئے جہنم
یقینی تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دولت سے نوازا
پھر یہ حالت ہوگئی کہ آنحضرت صلعم سے زیادہ میرا کوئی محبوب نہیں
رہا۔ اور نہ ان سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی بزرگ رہا۔ آپ کی انتہائی
عظمت وہیبت کی وجہ سے نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا، اگر مجھ سے آپ
کا کوئی حلیہ پوچھے تو میں صحیح نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ میں نے آپ پر کبھی بھر
پور نظر نہیں ڈالی اگر میں اس حال میں مرجاتا تو جنت کی امید تھی، پھر میری
زندگی کا تیسرا دور آیا جس میں میں نے مختلف قسم کے کام کئے، اب
میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حال ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا مجھے دفن کرنیکے
بعد اتنی دیر تم لوگ کھڑے رہنا جب تک ایک جانور ذبح کرکے اس
کا گوشت تقسیم ہو جائے، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور
یہ غور کرلوں کہ اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دوں۔ ؎

؎ مہاجرین ملخصاً بحوالہ استیعاب ومسلم ۱۲

جس دن انتقال ہوا، اس دن بہت سی وصیتیں کیں جن کا خلاصہ
یہ تھا کہ میرا کوئی معاملہ خلاف شرع نہ ہو، اسکے بعد دعا میں مصروف
ہو گئے کہ پروردگار تونے حکم دیا، میں نے عدول حکمی کی۔ تونے ممانعت
کی، میں نے نافرمانی کی۔ میں بری نہیں ہوں کہ معذرت کروں۔ طاقتور
نہیں ہوں کہ غالب آؤں، ہاں لا الہ الا اللہ ـــ یہی کہتے کہتے جان
جاں آفریں کے سپرد کی۔ یکم شوال ۴۳ھ کو بعد نماز عید الفطر آپ
کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

اسامہ نام، ابو محمد کنیت، حب رسول اللہ[1] لقب والد کا نام زیدؓ
اور والدہ کا نام ام ایمن تھا۔

حضرت اسامہؓ کی خوش قسمتی کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ
ان کے والد حضورؐ کے چہیتے غلام اور منہ بولے بیٹے تھے اور ماں حضورؐ
کی آیا اور کنیز تھیں اس طرح دونوں جانب سے اسامہؓ کو حضورؐ سے
قربت تھی چنانچہ حضورؐ ان سے بہت محبت فرماتے، اور بارہا اس کا

[1] انکے والد حضرت زیدؓ چونکہ حضورؐ کے منہ بولے بیٹے تھے اور حضورؐ کو ان سے
بہت محبت تھی اسلئے انکو حضورؐ نے حب رسول یعنی محبوب رسولؐ کا لقب مرحمت
فرمایا تھا انکی وفات کے بعد حضورؐ کی محبت اور شفقت وراثتاً انکے بیٹے اسامہؓ کو ملی
چنانچہ حب رسول کا پیارا لقب بھی زیدؓ کے بعد اسامہؓ کو وراثتاً مل گیا۔ ۱۲۔

اظہار بھی فرمایا۔ آنحضرتؐ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسنؓ و حسینؓ سے زائد کسی سے
محبت تھی مگر اسامہ ہی ایک ایسے خوش قسمت شخص ہیں جو اس محبت میں
بھی برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ حضورؐ ایک زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھاتے،
دوسرے پر اسامہؓ کو، اور فرماتے اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں
تو بھی ان سے محبت فرما۔ حضورؐ نے متعدد بار یہ فرمایا کہ اسامہؓ مجھ کو سب
لوگوں میں محبوب تر ہے۔

حضرت اسامہؓ کا حضورؐ کیساتھ کئی حیثیتوں سے تعلق تھا خصوصیت
کیساتھ حضرت زیدؓ کے تعلق سے حضورؐ انکو جس قدر سمجھتے تھے وہ انہی کا حصہ
تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا اسکا باپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب
تھا اور اب یہ سب سے زیادہ عزیز ہے، اسامہؓ کی ذرا سی تکلیف حضورؐ کو گوارہ
نہیں تھی اور بالکل اولاد کی طرح حضورؐ کو محبوب تھے، ایکمرتبہ یہ چوکھٹ پر سے
گر پڑے، اور خون نکلنے لگا، آنحضرتؐ نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا
اسکا خون صاف کر دو، حضرت صدیقہؓ کو کچھ کراہت محسوس ہوئی، تو خود
حضورؐ نے اٹھکر صاف کر کے لعاب دہن لگایا، کبھی کبھی عادت کیمطابق انتہائے
محبت میں حضورؐ انسے مذاق فرماتے، ایکمرتبہ اسامہؓ بیٹھے تھے حضرت عائشہؓ
بھی تشریف فرما تھیں حضورؐ پہلے اسامہؓ کیطرف دیکھکر مسکرائے، اسکے بعد
فرمایا، اگر یہ میری لڑکی ہوتا تو میں اسکو خوب زیور پہناتا اور بناؤ سنگار کرتا تاکہ
اسکا خوب چرچا ہوتا، اور ہر جگہ سے پیام آتے۔[1]
چونکہ آنحضرتؐ کو انکے خاندان سے بہت لگاؤ اور تعلق تھا اسلئے

[1] مہاجرین بحوالہ ابن سعد ۱۲

صحابۂ کرامؓ بھی زیدؓ و اسامہؓ کے خاندان کے ایک ایک فرد کی تعظیم و تکریم کرتے اور اپنے خاندان والوں سے زائد انکا خیال رکھتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب تمام صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا ڈھائی ہزار اور اسامہؓ کا تین ہزار مقرر کیا حضرت عبداللہؓ نے اس پر احتجاج کیا کہ انکی زیادتی کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ میں اسامہؓ سے اور آپ انکے والد سے کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ تو صحیح ہے مگر حضورؐ انکو تم سے اور انکے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے،

خود حضرت عبداللہؓ کا یہ عالم تھا کہ اس خاندان کے بچوں تک کا احترام کرتے تھے ایکمرتبہ مسجد میں انھوں نے ایک شخص کو دیکھا، لوگوں سے کہا دیکھو کون ہے لوگوں نے بتایا۔ اے ابو عبدالرحمٰن آپ ان کو نہیں جانتے یہ اُسامہؓ کے صاحبزادے محمد ہیں آپ نے یہ سنکر تعظیماً گردن جھکالی اور کہا اگر حضورؐ انکو دیکھتے تو انکو بھی محبوب رکھتے، حضرت اسامہؓ نے غزوات میں بھی شرکت فرمائی، فتح مکہ جو اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا اسمیں بھی اسامہؓ شریک تھے اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضورؐ کے ساتھ آپؐ ہی کی سواری پر سوار تھے،

آنحضرتؐ نے آپکی سرکردگی میں کئی سریے بھی روانہ فرمائے، چنانچہ سریۂ حرقہ کی قیادت بھی آپ ہی نے فرمائی، مگر تمام سرایا میں سب سے اہم وہ سریہ ہے جس میں کبار صحابہؓ کی موجودگی میں حضورؐ نے امارت انکے سپرد فرمائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضورؐ کے ایک سفیر حضرت حارث بن عمیرؓ شاہ بصریٰ کے دربار سے واپس آرہے تھے کہ مقام موتہ میں انھیں شرجیل بن عمرو نے شہید کر دیا، اسلام کی

تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی قاصد کو قتل کیا گیا ہو اسلئے حضورؐ نے اسکا انتقام لینے کیلئے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں تین ہزار کی جمعیت روانہ فرمائی لیکن وہ بھی اسی جنگ میں شہید ہو گئے اور انکے ساتھ اکابر صحابہؓ میں حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو گئے آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی شہادت سے بہت افسوس ہوا چنانچہ اپنی وفات سے کچھ دن قبل حضرت اُسامہؓ کی قیادت میں ان بزرگوں کے انتقام کیلئے ایک سریہ روانہ فرمایا ان لوگوں کی روانگی سے قبل ہی حضورؐ کی طبیعت خراب ہو گئی مگر حضورؐ کو ان شہدا کے انتقام کی اسقدر فکر تھی کہ انکی روانگی کو ملتوی نہ فرمایا۔ اور اپنے دست خاص سے علم مرحمت فرما کر سریہ کی روانگی کا حکم فرمایا، ابھی مدینہ کے قریب جرف نامی جگہ پر پہلی منزل ہوئی تھی کہ اُسامہؓ کو آنحضور علیہ السلام کی وفات کی اطلاع ملی اس خبر کے ملتے ہی یہ مدینہ واپس آ گئے اور تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے، جسد اطہر کو قبر میں اتارنے کا شرف بھی اُسامہؓ کو حاصل ہوا۔ چونکہ آنحضرتؐ آخر آخر وقت تک جیش اسامہؓ کی روانگی کے متعلق تاکید فرماتے رہے تھے اسلئے صدیق اکبرؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ اس درمیان میں ارتداد کا فتنہ بھی کھڑا ہو چکا تھا صحابہؓ نے خلیفہ سے بہت بہت کہا کہ ابھی اس لشکر کو نہ روانہ فرمائیے حالات اس قسم کے نہیں ہیں، جب حالات پر قابو پا لیا جائے تو روانہ فرما دیجئے گا۔ مگر صدیق اکبرؓ نہ مانے اور کہا چاہے مجھکو پرندے نوچ کر کھا جائیں مگر میں رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل کئے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ جیش اُسامہؓ روانہ ہوا۔ اُسامہؓ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمن سے شہدا کا انتقام لیا اور اپنے والد کے قاتل کو جہنم رسید کیا اس طرح اُسامہؓ حضورؐ کی

خواہش کو پورا کر کے واپس تشریف لائے۔

چونکہ اسامہؓ نے دامن نبوی میں تربیت پائی تھی اسلئے ان پر تعلیمات نبوی کا گہرا اثر تھا چنانچہ لوگوں کے لئے انکا عمل حجت تھا ایکدن حضرت میمونہؓ نے اپنے ایک عزیز کو نیچا تہبند پہنے دیکھا انھوں نے انکو ٹوکا تو عزیز نے جواب دیا کہ میں نے اسامہؓ کو اسی طرح پہنے دیکھا ہے حضرت میمونہؓ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انکا پیٹ بڑا ہونے کیوجہ سے تہبند اسپر ٹھہر نہ رہا ہو، اس لئے کھسک کر نیچا معلوم ہوتا ہو۔

پابندی سنت کا آخر عمر تک لحاظ رکھا، ایکمرتبہ غلام نے کہا آپکی عمر اس لائق نہیں ہے کہ آپ روزہ رکھیں، کمزوری بہت ہے آپ دوشنبہ اور جمعرات کو کیوں روزے رکھتے ہیں فرمایا آنحضرتؐ رکھتے تھے اسلئے میں بھی رکھتا ہوں،

والدین کی خوشنودی اور انکی اطاعت کا بہت زائد خیال رکھتے اور اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جبکہ کھجور کے درختوں کی قیمتیں ایکہزار تک پہنچ گئیں، یہ اپنے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اسکا مغز نکال رہے تھے لوگوں نے دیکھ کر کہا، اسقدر گرانی کے زمانے میں تم اسے کیوں ضائع کر رہے ہو، فرمایا میری ماں نے فرمائش کی ہے، وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہیں اگر اسکا حصول میرے اختیار میں ہوتا ہے تو حتی الوسع میں اسے پورا ضرور کرتا ہوں، حضرت اسامہؓ نے حضرت معاویہؓ کے دور امارت میں ۵۴ھ میں بعمر ساٹھ سال مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تمت

(۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ ہجری یوم یکشنبہ)

اسلامی تاریخ اور دفاعِ صحابہؓ کے موضوع پر ایک اہم کتاب
تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
از قلم
عبدالعلی فاروقی
مکتبۃ البدر کی وہ فخریہ پیشکش جس میں
اکابر صحابہؓ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت حسینؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، اور حضرت عبداللہ بن سعدؓ کی پاکیزہ اور لائقِ تقلید زندگیوں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ نیز تاریخ کی پامال اور جھوٹی روایتوں کا سہارا لیکر ان اکابرینِ اُمت پر عائد کیے جانے والے الزامات کا منصفانہ تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے
تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
ایک ایسی کتاب جسکے مطالعہ سے بہت سی تاریخی الجھنیں دور ہونگی،
تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
ایک ایسی کتاب جو نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ کی اصلاح کی جانب ایک مبارک رہنمائی ہے۔
تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
ایک ایسی کتاب جسکے مطالعہ سے آپ کو تاریخ اور تاریخی روایات کے سلسلہ میں صحیح معرفت حاصل ہوگی
تاریخ کی مظلوم شخصیتیں
ایک ایسی کتاب جسکا ہر مسلم گھرانے، ادارے اور لائبریری میں ہونا ضروری ہے
معیاری کتابت
عکسی طباعت
مضبوط جلد
خوبصورت سرورق
قیمت Rs. 50
ملنے کا پتہ
مکتبۃ البدر، کاکوری، لکھنؤ نمبر ۲۲۷۱۰۷